مایہ ناز مصنفہ کے قلم سے ایک دلکش ناول

وہ اک کہانی

نگہت سیما

طویلہ مکملہ ناول

خواتین ڈائجسٹ نومبر 1990ء

Imagitor

CamScanner

لمبی چوڑی صاف شفاف سڑک پر چلتے چلتے اچانک وہ زور سے پاؤں زمین پر مارتا۔

"سنو سونی! تم میرے دوست ہو نا تو پھر میری مدد کرو۔"

"کہو۔" میں اس کی طرف دیکھے بغیر کہتا۔

"آؤ! ہم دونوں مل کر اس دنیا کو توڑ پھوڑ دیں۔ جیسے کسی کھلونے کو توڑتے ہیں۔"

"چلو۔"

میں یوں کندھے جھٹکتا جیسے اس دنیا کو توڑنا پھوڑنا کوئی بہت معمولی سا کام ہے۔

"میرا دل چاہتا ہے سونی!"

میرے اقرار پر وہ خوش ہو کر میرے کندھے پر ہاتھ مارتا۔

"کہ اس کائنات کو اپنی مٹھی میں لے کر زور سے زمین پر

چلتے چلتے ہماری ٹانگیں شل ہو جاتیں۔ پاؤں بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیتے تو ہم بابو کی دکان پر بے دم سے ہو کر گر جاتے۔ سخت لکڑی کے بنچ پر لیٹ کر لمبے لمبے سانس لیتے ہوئے وہ کہتا۔

"اور دنیا کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا کتنا مشکل کام ہے سونی!"

"ہاں۔" میں آنکھیں موند لیتا۔

"لیکن دنیا ہمیں کتنی آسانی سے ٹکڑے ٹکڑے کر رہی ہے۔"

"ہاں!" اور بابو ہمیں دیکھ کر کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل آتا۔

"ملی؟" وہ کرسی ہمارے بنچوں کے قریب کھسکا لیتا۔

"نہیں۔"

"میں کہتا ہوں سونی اور کیلی تم دونوں اس کا خیال چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔"

KSK Novels

نگہت سیما

دو ایک کہانی

پٹخ دوں اور جب یہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے تو خوب ہنسوں خوب قہقہے لگاؤں یوں کہ میرے سامنے قہقہوں کا ڈھیر لگ جائے۔ ہے نا۔ کیا تمہارا دل ایسا نہیں چاہتا؟"

"چاہتا ہے۔"

اور چلتے چلتے اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں آ جاتا۔

"ہم دونوں دوست ہیں نا سونی؟"

"ہاں۔"

اور پھر ہم دھپ دھپ کر کے زور زور سے زمین پر پاؤں مارتے ہوئے چلے جاتے۔ آگے آگے یوں جیسے اپنے پاؤں کی دھمک سے اس کائنات کو کوٹ ڈالیں گے۔ اور ہم چلتے رہتے یوں ہی جیل روڈ سے فردوس مارکیٹ، فردوس مارکیٹ سے گلبرگ، لبرٹی اور جانے کہاں کہاں اور جب

"کیسے چھوڑ دیں؟"

میں یونہی آنکھیں موندے موندے پوچھتا۔

"جیسے میں نے چھوڑ دیا اور بزنس کر لیا۔"

"بزنس کے لیے پیسہ کہاں سے آئے گا؟"

"جھاڑی لگا لو۔ چائے کا کھوکھا کھول لو اتنا پیسہ تو میں بھی تمہیں دے دوں گا لیکن یہ ہو تم ہر روز منہ لٹکائے آ جاتے ہو نا تو دل چاہتا ہے تمہیں مار مار کر تمہارا بھرکس نکال دوں آخر میں نے بھی تو دو سال جھک مار کر یہ دکان کھول لی ہے۔"

"یہ دکان ہے۔" کیلی اٹھ بیٹھتا اور ہنسنے لگتا۔

"یہ دو لکڑی کی سڑی ہوئی کرسیاں، ایک تین ٹانگوں والی کرسی بوسیدہ کاؤنٹر چند کتابیں۔"

"دال روٹی چل جاتی ہے۔ تم بھی دال روٹی چلاؤ نا۔"

CamScanner

"کیا ہماری شکلیں چھابڑی لگانے اور چائے کا کھوکھا چلانے والوں کی سی ہیں؟"

"شکلیں جیسی بھی ہیں مگر تم کیلی گراہم بیل تم کبھی گراہم بیل نہیں بن سکتے۔ تم ایک گھنٹی کا بچہ بھی ایجاد نہیں کر سکتے۔"

"کر سکتا ہوں۔" کیلی نے بنچ پر مکا مار کر کہا۔

"دنیا مجھے موقع تو دے۔"

"نہیں کر سکتے۔" بابو ضد کرتا۔

"اگر کر سکتے ہوتے نا تو اب تک کر چکے ہوتے۔"

"ہاں نہیں کر سکتا۔"

"تھوڑی بحث کرنے کے بعد وہ ہتھیار ڈال دیتا۔ اس کی آواز گر سی جاتی اور وہ اپنا سر گھٹنوں پر رکھ لیتا اور بابو کو اس پر ترس آنے لگتا۔

"اچھا یہ دیکھو۔"

وہ نہ جانے کہاں سے کھینچ کر ایک یا دو دن پہلے کا مڑا تڑا اخبار نکالتا۔ "دیکھو یہ اشتہار یہاں ٹرائی کرو۔"

"پکی ہے۔"

کیلی کی آنکھیں چمکنے لگتیں اور بابو سے بال پین اور کاغذ لے کر درخواستیں لکھی جاتیں۔ بابو ہمیں چائے پلاتا اور ساری تھکن بھول کر ہم ایک بار پھر ہاتھوں میں ہاتھ دیے چل پڑتے۔ جیل روڈ، پھر فردوس مارکیٹ، گلبرگ اور جانے کہاں کہاں۔ اب کیلی کی آنکھوں میں خواب جگمگاتے۔

"اگر یہ نوکری مل گئی نا سونی۔"

وہ میرا ہاتھ دباتا۔

"تو پھر سب سے پہلے میں۔ میں مینی کو فون کروں گا۔ اور اسے بتاؤں گا کہ میں۔ میں اس سے محبت کرتا ہوں مگر میں۔ میں فون نہیں کروں گا بلکہ خود ہی اس سے ملنے چلا جاؤں گا۔ ٹھیک ہے نا سونی!"

"ہاں۔"

"مینی بہت اچھی ہے، ہے نا سونی؟"

"ہاں۔"

اور پھر ہم مینی کی باتیں کرتے اور ان دنوں کی جو گزر گئے تھے۔ جب مینی، میں بابو اور وہ ہم چاروں اکٹھے پڑھتے تھے۔ مستقبل کے خواب دیکھتے اور ماضی کو یاد کرتے کرتے وقت کا پتا ہی نہ چلتا اور بات کرتے کرتے اچانک اسے یاد آیا۔

"اوہ مائی گاڈ سونی! اتنی دیر ہو گئی اور اب میری سوتیلی ماں دروازہ ہی نہیں کھولے گی اور اگر کھولا بھی تو اتنا شور مچائے گی کہ سارے محلے کی کھڑکیاں کھل جائیں گی۔"

وہ پریشان ہو جاتا تو میں اسے ساتھ لے آتا اور جیرے سے تین تین روپے کی دال چاول کی ہاف پلیٹ کھا کر ہم دونوں زمین پر بچھی دری پر سو جاتے۔ پتا نہیں اسے اس کھردرے فرش پر نیند آتی بھی تھی یا نہیں لیکن میں تو عادی ہو گیا تھا۔ اس لیے زمین پر گرتے ہی سو جاتا اور وہ جو بہت نازک مزاج، بہت نفاست پسند اور بہت ہی لاڈلا تھا۔ وہ پتا نہیں سو پاتا ہو گا یا نہیں۔ میں نے اس سے کبھی نہیں پوچھا تھا وہ صبح مجھ سے پہلے ہی اٹھا ہوا ہوتا پھر ہم کھردرے بلیڈ رگڑ رگڑ کر شیو بناتے اور جیرے سے چائے اور سوکھی ڈبل روٹی کے دو دو پیس کھا کر پھر سے چل پڑتے۔ نئے جہانوں کی تلاش میں جو ہماری دسترس سے دور تھے۔

میں خیر بخش حیات بخش چوہدری کا اکلوتا بیٹا حیات بخش چوہدری جو کئی مربع زمین کا مالک تھا۔

اور میں جس کے پاس رہنے کے لیے ایک کھولی تھی۔

جس میں زمین پر بوسیدہ سی دری بچھی تھی۔

اور جسے بی ایس سی کیے دو برس بیت گئے تھے۔ میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ میں شکیل احمد عرف کیلی گراہم بیل کی کہانی لکھوں گا۔

اس لیے کہ کیلی کی ایک کہانی تھی۔

اور کہانی تو میری بھی ہے۔

لیکن مجھے تو کیلی کی کہانی لکھنا ہے اور جب میں نے قلم اٹھایا تھا تب سے یہ میرا اپنے آپ کے ساتھ عہد تھا۔ کہ میں کیلی کی کہانی لکھوں گا۔

کیلی جو بہت خوبصورت تھا۔

کیلی جس کی آنکھوں میں خواب جلتے تھے۔

جو اپنے پاپا کا بہت لاڈلا تھا۔

جس کی ماما اسے پرنس کہا کرتی تھیں۔

اور جو بچپن میں کہتا تھا کہ میں گراہم بیل بنوں گا۔ اور جو اپنے پاپا کے لائے ہوئے قیمتی کھلونوں کو توڑ پھوڑ کر جوڑا کرتا تھا۔ تو اس کے پاپا خوش ہو کر کہتے۔

"دیکھنا جانو! ہمارا کیلی سائنس دان بنے گا۔ اور ایک دن اس کا نام سنہرے حرفوں میں لکھا جائے گا۔"

لیکن جس کی آنکھوں میں جلنے والے سینکڑوں کروڑوں روپے سنہرے خواب ٹوٹ گئے جو بقول بابو گھنٹی کا ایک بچہ تک ایجاد نہ کر سکا اور لاہور کی طویل شاہراہوں پر نوکری کی تلاش میں چلتے اس کے جوتوں کے تلووں میں سوراخ ہو گیا تھا۔

وہ کیلی ۔۔۔

ہاں میں اس کیلی کی کہانی لکھنا چاہتا تھا۔

اور میں نے سوچا تھا کہ میں نے جو پہلی کہانی لکھی۔ وہ کیلی کی کہانی ہو گی۔ میرے اندر لفظ بنتے اور بگڑتے رہتے تھے۔ لفظوں کا ایک ہجوم تھا لیکن جب میں نے پہلی کہانی لکھی تو وہ کیلی کی کہانی نہ تھی پھر میں نے سوچا کہ میں اب اگلی کہانی ضرور کیلی کی کہانی لکھوں گا اور جس روز وہ مجھ سے جدا ہو رہا تھا۔ اس روز اس کی آنکھوں میں ایک سوال تھا۔ (اور اس کی آنکھیں کتنی دلکش تھیں۔ یہ ملینی کہا کرتی تھی۔)

"سونی! میری کہانی لکھو گے نا۔"

"ہاں" میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اقرار کیا تھا۔

"اور وہ ساری بے انصافیاں جو زمانے نے میرے ساتھ کیں۔"

"ہاں وہ ساری بے انصافیاں۔"

ہم نے آنکھوں ہی آنکھوں میں بغیر ہونٹ ہلائے بہت سی باتیں کر لیں پھر وہ چلا گیا۔ قلم میرے ہاتھ میں تھا۔

لیکن میں کیلی کی کہانی نہ لکھ سکا۔ پتا نہیں کیوں۔ شاید کیلی کی کہانی بھی دنیا کی بہت سی چھوٹی چھوٹی اور معمولی کہانیوں کی طرح کی ایک کہانی تھی۔ چھوٹی اور معمولی سی کہانی۔

ایک لڑکا۔

جس نے اپنی آنکھوں میں کروڑوں نقرئی خواب سجا رکھے تھے اور جو ایک لڑکی سے محبت کرتا تھا۔

جس کی آنکھیں نیلی تھیں اور جس کے ہونٹ سٹرابیری کی طرح سرخ تھے اور جو ہنستی تھی تو اس کی آنکھیں بھی ہنستی تھیں۔ اس کے رخسار بھی ہنستے تھے۔ اس کا سارا وجود ہنستا تھا۔

پھر ۔۔۔ پھر کیا ہوا۔ اس کے خواب بکھر گئے اور بس بہت سے لوگوں کے خواب بکھر جاتے ہیں۔ اور اگر کیلی گراہم بیل کے خواب بکھر گئے تھے تو کیا ہوا۔ میرے ۔۔۔ میرے بھی اور میں کیلی کی کہانی نہ لکھ سکا۔ حالانکہ میں نے اکثر راتوں کو بستر پر آنکھیں موند کر لیٹتے ہوئے سوچا کہ میں ثمر بخش ایک کہانی لکھوں۔

ایک ٹریجڈی۔

ایک آخری کہانی پھر اس کے بعد قلم توڑ دوں۔

وہ کہانی میری طویل راتوں کی بیداری۔

میری عمر بھر کی ریاضتوں کا ثمر ہو۔

میں کیلی کی زندگی کے سارے دکھ، سارے کرب اس کہانی میں لکھ ڈالوں۔ ایسے ہی جیسے میں نے محسوس کیا تھا۔ وہ جو میرا دل چھلنی ہوتا تھا۔ وہ جو ہم پارا پارا ہو جاتے تھے تو اس سارے کرب کو لفظوں میں ڈھال دوں۔ لیکن لفظ بڑے دغاباز ہیں۔ بڑے جھوٹے اور فریبی، عین وقت پر دھوکا دے جاتے ہیں۔

نہیں، شاید میں کچھ غلط کہہ گیا ہوں۔ لفظوں نے تو میرا ساتھ دیا ہے۔ اگر یہ لفظ نہ ہوتے تو شاید میں کسی دن ۔۔۔ ہاں کسی دن میرے کمرے سے اٹھتی بدبو راہگیروں کو روک دیتی اور پھر جب کئی دنوں کی سڑی ہوئی لاش باہر نکلتی تو لوگ کہتے۔

"بے چارا ۔۔۔ افسوس مر گیا۔"

کوئی یہ نہ سوچتا کہ کیوں مرا۔

ان لفظوں نے کم از کم مجھے بھوک کی موت سے تو بچایا ہے۔ شاید میں بھوک کی موت مرنے سے ڈرتا تھا۔ اس لیے میں کیلی کی کہانی نہ لکھ سکا۔

کیونکہ مجھے پتا تھا کہ میں کیلی کی کہانی کے بعد پھر کوئی اور کہانی نہ لکھ سکوں گا۔ سو میں نے کیلی کی کہانی نہیں لکھی اور اتنے برس گزر گئے اور آج جب میں نے قلم اٹھایا تو کیلی میرے سامنے آ کھڑا ہوا۔

"سونی! تم میرے دوست ہو نا؟"

"ہاں۔"

"تو آؤ، اس دنیا کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیں۔ بالکل ایسے ہی جیسے دنیا نے ہمیں ٹکڑے ٹکڑے کیا ہے۔"

"چلو۔"

اور میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اور کہانی خود بخود بکھرتی

چلی گئی۔

"کیلی بے حد خوبصورت بچہ تھا۔ دیکھنے والے کو بے اختیار اُس پر پیار آتا تھا۔ گورا رنگ، بڑی بڑی خوبصورت آنکھیں، بے حد سرخ چھوٹے چھوٹے گول ہونٹ۔

اُس کا نام اُس پر صحیح سوٹ کرتا تھا شکیل، اور اس کی ماں اسے چاند کہتی تھیں۔ وہ سچ مچ چاند ہی تھا۔

میری اس کی دوستی اس وقت ہوئی تھی جب میں گاؤں سے چاچا کے ساتھ شہر آیا تھا۔ میرے بابا حیات بخش چوہدری کو ان کے دشمنوں نے مار ڈالا تھا اور میری ماں ہی صدمے سے پاگل ہو گئی تھی۔ اور میرا چاچا مجھے چھپا کر شہر لے آیا تھا اور رات کو بستر پر اپنے پاس لٹا کر مجھے دشمن سے انتقام لینے کا سبق دیتا۔ میں چاچا کی باتیں خاموشی سے سن لیتا مگر میرے اندر نہ تو انتقام کی آگ بھڑکتی تھی اور نہ ہی — چاچا کی باتیں سمجھ آتی تھیں۔ میں تو اپنے بابا کے پاس واپس جانا چاہتا تھا۔ وہ مجھے اپنا ولی عہد کہتے تھے اور مجھے اپنے سینے پر لٹا کر کہانی سناتے تھے۔ اچھی اچھی کہانیاں۔

اور ماں کی گود میں سر رکھ کر سونا چاہتا تھا۔ ماں جب میرے سر کے بالوں میں اپنی نرم نرم انگلیاں پھیرتی تھی تو مجھے بڑا سکون ملتا تھا۔ دل چاہتا تھا وہ میرے سر میں انگلیاں پھیرتی رہے اور میں آنکھیں موندے اس کی گود میں سر دھرے سکون سے لیٹا رہوں۔

لیکن چاچا کہتا تھا کہ تمہارے بابا کو دشمنوں نے مار ڈالا ہے اور تمہیں اپنے بابا کے دشمنوں سے انتقام لینا ہے۔

بابا مر گئے تھے۔ لیکن اماں تو نہیں مری تھیں اور چاچا مجھے بتاتا ہی نہیں تھا کہ اماں کہاں ہے۔ اس روز بھی میں دل ہی دل میں چاچا سے روٹھ کر باہر سڑک پر نکل آیا تھا۔

چاچا کو پتا ہی نہیں چلا تھا۔ وہ تو کمرے میں سو رہا تھا اور میں نے سوچا تھا کہ میں خود ہی ماں کے پاس چلا جاؤں گا۔ مگر باہر سڑک پر اتنی گاڑیاں تھیں۔ اتنے رکشے تھے، اتنا شور تھا۔ میں سہم کر کھڑا ہو گیا کہ کہاں جاؤں۔

میرے آس پاس بڑی بڑی کوٹھیاں تھیں بڑے بڑے گیٹ تھے۔ تب گھبرا کر میں واپس مڑا تو مجھے یاد ہی نہیں رہا کہ میں کس گیٹ سے نکلا تھا۔ مجھے تو سب گھر ایک جیسے ہی لگ رہے تھے۔ شاید گرے گیٹ تھا۔ نہیں نیلا تھا شاید۔

میں نے ایک گیٹ کو ہولے سے دھکیلا تو اندر سے کوئی کتا زور سے بھونکا۔ میں بھاگ کر ساتھ والے کھلے گیٹ میں گھس گیا۔

اور وہیں پہلی بار میں کیلی سے ملا تھا۔ وہ نیلی نیکر اور سرخ شرٹ پہنے ایک چھوٹے سے گھنے بالوں والے کتے کو گود میں اٹھائے اِدھر اُدھر ٹہل رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر اس نے کتا زمین پر چھوڑ دیا اور میرے قریب چلا آیا۔ اُس کی آنکھوں میں اجنبیت نہیں تھی۔

"کون ہو تم؟" میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

لیکن میں چپ رہا۔ اس لیے کہ چاچا نے کہا تھا۔

"شمر بخش! تم نے رونا نہیں ہے خبردار۔ ورنہ انتقام کی آگ بجھ جائے گی۔" میں رویا نہیں تھا لیکن میں رونا چاہتا تھا۔ اس نے آگے بڑھ کر محبت سے میرا ہاتھ تھام لیا۔

"تم یہ ساتھ والے گھر سے آئے ہو؟"

"ہاں، پتا نہیں۔"

"کیا نام ہے تمہارا؟"

"شمر بخش چوہدری۔" وہ مسکرا رہا تھا۔

"آؤ کھیلیں۔"

میں اس کے ساتھ چلا گیا۔ وہ مجھے اپنی کتابیں، اپنے کھلونے اور دوسری چیزیں دکھاتا رہا۔ اس کا کمرا بہت شاندار تھا۔ وہ مری میں پڑھتا تھا اور چھٹیاں گزارنے گھر آیا ہوا تھا۔ پھر اس کی ماما نے اسے آواز دی تو وہ مجھے بھی ساتھ لے آیا۔

"ماما! یہ سونی ہے میرا دوست۔"

سونی۔ یہ نام اس نے ہی مجھے دیا تھا۔

"اپنے چاچا کے ساتھ ادھر آیا ہے۔"

"تمہارے پاپا اور ماما کہاں ہیں؟"

کیلی کی ماما نے پوچھا تو میرا ضبط جواب دے گیا۔ میں رونے لگا۔ میرے آنسو آہستگی سے میرے رخساروں پر بہنے لگے۔ ماما نے مجھے گلے سے لگایا۔ کیلی نے میرے رخساروں پر اپنے بے حد سرخ ہونٹ رکھ دیے اور تب بہت سارا رونے کے بعد میں نے انہیں بتایا کہ "میرے بابا مر گئے ہیں۔ اور میری ماں پتا نہیں کہاں ہیں اور مجھے چاچا یہاں لائے ہیں۔ اپنے ایک دوست کے گھر اُن کا یہ دوست لندن

گیا ہوا ہے اور ہم دونوں چاچا اور میں اکیلے رہتے ہیں اُن کے گھر بس ایک نوکر ہے رفیق۔ مجھے اپنا گھر ہی بھول گیا ہے۔"

"امی! یہ ہمدانی صاحب کے گھر آئے ہیں نا۔ ہمدانی انکل اور آنٹی لندن گئے ہوئے ہیں اور اُن کا نوکر رفیق ہے؟"

اور پھر کیلی میرا ہاتھ پکڑے مجھے ہمدانی صاحب کے گھر چھوڑنے آیا۔ وہ میرا ہم عمر ہی تھا یا شاید مجھ سے بڑا ہو۔ چاچا سڑک پر پاگلوں کی طرح مجھے ڈھونڈ رہے تھے۔ مجھے دیکھتے ہی انہوں نے جھپٹ لیا۔

"کہاں کہاں چلا گیا تھا تو؟"

"ماں کو ڈھونڈنے۔" میں نے چاچا کو نہیں بتایا تھا۔

"چاچا! یہ کیلی ہے میرا دوست۔ یہ مری میں پڑھتا ہے۔ میں کب اسکول جاؤں گا چاچا؟ میری کتابیں بھی گاؤں میں رہ گئی ہیں۔"

"لے آؤں گا تیری کتابیں بھی۔"

اور یوں کیلی میرا دوست بن گیا تھا۔ اس اجنبی شہر میں میں روز ہی اُس کے پاس چلا جاتا اور ہم دونوں گھنٹوں باتیں کرتے کھیلتے اور ایسے ہی ایک روز اس کے پوڈل ڈاگ کے ساتھ کھیلتے ہوئے میں نے اُسے اپنے سب سے اہم راز میں شریک کر لیا۔

"سنو کیلی! میں ابھی چھوٹا ہوں لیکن جب میں بڑا ہو جاؤں گا تو مجھے اپنے ابا کے دشمنوں سے انتقام لینا ہے۔"

"مگر تم اکیلے کیسے اپنے دشمنوں کو مارو گے۔ دیکھو تم مجھے بھی ساتھ لے لینا۔"

"مگر کیلی اس میں خطرہ ہے۔"

"کوئی بات نہیں خطرہ تمہارے لیے بھی ہوگا نا۔ وعدہ کرو مجھے ساتھ لے کر جاؤ گے۔"

"اچھا وعدہ۔"

میں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر وعدہ کیا اور پھر اس نے مجھے بھی اپنے راز میں شریک کر لیا۔

"مینی ہے نا۔"

"مینی کون؟"

"وہ بٹ صاحب کی بیٹی۔" وہ مسکرایا۔

"پتا ہے اس کی آنکھیں نیلی ہیں۔"

"اچھا۔"

"اور ماما کہتی ہیں کہ جب کیلی بڑا ہوگا تو ہم کیلی کی شادی مینی سے کریں گے۔"

"مینی سے؟"

"ہاں۔"

"اور جب تم مینی سے شادی کرنے جاؤ گے تو مجھے ساتھ لے کر جانا۔"

"ہاں ضرور۔"

"وعدہ؟"

"وعدہ۔"

اُس نے میرے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔

پھر چھٹیاں ختم ہو گئیں وہ مری چلا گیا لیکن جب بھی وہ گھر آتا تو مجھے لگتا جیسے وہ کبھی گیا ہی نہیں تھا۔ پھر ہمدانی صاحب آ گئے اور چاچا اندرون شہر آ گئے۔ انہوں نے ایک گھر کرایے پر لے لیا تھا۔ کیلی وہاں بھی آتا۔ اپنی اسپورٹس سائیکل کی گھنٹی بجاتا تو میں بھاگتا ہوا آ جاتا۔ چاچا نے مجھے بھی ایک سائیکل لے دی تھی۔ ہم دونوں اپنی اپنی سائیکلیں لے کر نکل جاتے۔

وہ مجھے مری کی باتیں بتاتا۔ اپنے دوستوں کی، اپنے ٹیچرز کی۔ اور مینی کی۔

مینی بھی اُس کے ساتھ ہی پڑھتی تھی۔ پھر اُس نے مجھے مینی سے ملایا۔

مینی جو ہنستی تھی تو اس کی آنکھیں بھی ہنستی تھیں بلکہ اس کا پورا وجود بھی ہنستا تھا اور میں نے اُسے بابو سے ملایا۔ بابو جس کا نام تو احمد علی تھا لیکن ماں پیار سے اسے بابو کہتی۔

بابو بھاٹی گیٹ میں رہتا تھا۔ میں شاہ عالم مارکیٹ کے پاس۔

کیلی اور مینی ماڈل ٹاؤن میں رہتے تھے۔

لیکن ہم چاروں میں دوستی تھی۔

اور ہر گزرتا لمحہ اس دوستی کو مضبوط کر رہا تھا۔

کبھی راوی کے کنارے کبھی جناح باغ میں کبھی شالیمار میں ہم چاروں اکٹھے بیٹھے باتیں کرتے۔ ہماری آنکھوں میں کروڑوں نقرئی خواب سجے ہوئے تھے۔

کیلی نے بتایا کہ جب وہ چھوٹا تھا تو وہ کہتا تھا وہ گراہم بیل بنے گا اور ایسی ایسی ایجادات کرے گا کہ دنیا میں تہلکہ مچ جائے گا۔

بابو انجینئر بننا چاہتا تھا۔ اُسے اپنی بیوہ ماں کا سہارا بننا تھا۔

مینی مصور بننا چاہتی تھی۔ بہت بڑی مصور۔

میں — پتا نہیں کیا بننا چاہتا تھا۔ مجھے خود پتا نہیں تھا۔ ان دنوں ہم نے میٹرک کا امتحان دیا تھا اور رات گئے تک کیلی کے کمرے میں بیٹھ کر کیرم کھیلتے۔ مینی خوب خوب بے ایمانی کرتی اور کیلی اُس کی ساری بے ایمانیاں نظر انداز کرتا۔ کبھی ہم آئسکریم کھانے نکل جاتے اور کبھی صرف میں اور مینی صحن یا برآمدے میں بیٹھے باتیں کرتے کیونکہ کیلی مصروف ہوتا۔

اُس نے کباڑیے کی دکان سے چیزیں خرید خرید کر ایک چھوٹا سا بیٹری سے چلنے والا ریڈیو بنایا تھا۔ اور ایک ٹائم پیس بنائی تھی جس کی یہ خصوصیت تھی کہ ہر گھنٹے بعد آواز آتی تھی کہ ٹائم کیا ہوا ہے۔ اُس نے اس میں ایک چھوٹا سا کمپیوٹر فٹ کیا تھا۔ اُس کے پاپا بہت خوش ہوئے تھے اور انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ اُسے ایک ورکشاپ بنا دیں گے جہاں وہ چیزوں میں اپنے تجربات کرتا رہے گا۔ مینی اور بابو اس کا مذاق اڑاتے لیکن وہ ذرا بُرا نہ مانتا۔

ان دنوں چاچا مجھے ماں سے ملانے لے کر گئے ہوئے تھے۔ ماں کی دماغی حالت اب بھی ٹھیک نہ تھی اور چاچا نے اسے بہت دور کراچی کے پاگل خانے میں داخل کرا رکھا تھا۔ بابا کے مرنے کے بعد پہلی بار چاچا نے مجھے ماں سے ملایا تھا۔ میں بُرا دلگرفتہ سا واپس آیا تھا۔

مگر واپس آنے پر بابو نے جو خبر سُنائی وہ اور بھی تکلیف دہ تھی۔ کیلی کی ماما ایک حادثے میں مر گئی تھیں۔ سڑک کراس کرتے ہوئے ایک ٹرک نے انہیں کچل دیا تھا۔ میں بابو اور چاچا کے ساتھ گیا۔ وہ ملگجے سے کپڑے پہنے بکھرے بالوں اور سرخ آنکھوں کے ساتھ تکیہ منہ پر رکھے لیٹا ہوا تھا۔

"کیلی!" میں نے اُس کے قریب جا کر ہولے سے ہلایا۔

تو اس نے آنکھیں کھول کر مجھے دیکھا اور پھر اپنے بازو پھیلا دیے۔

"سونی!"

اور ہم دونوں دیر تک ایک دوسرے سے گلے لگے روتے رہے۔

پھر بابو نے ہمیں الگ کیا اور اس روز شاید ہم آخری بار روئے تھے۔ اس کے بعد ہم کبھی نہیں روئے۔ اس روز بھی نہیں جس روز میری ماں پاگل خانے میں مر گئی اور میرا چاچا مجھے دشمنوں کے خوف سے اس کے جنازے میں لے کر نہ گیا، اور جس روز وہ اس کو دفن کر کے واپس آیا تو اس نے یوں سرسری انداز میں اس کے مرنے کا ذکر کیا جیسے وہ اخبار کی کسی خبر کی سرخی پڑھ رہا ہو۔

میں چپ چاپ اُٹھ کر کیلی کے پاس چلا گیا۔

کیلی نے میرا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا اور بس۔

اُس روز بھی نہیں جب کیلی کے پاپا نے دوسری شادی کر لی۔

اور اس روز بھی نہیں جب کیلی کے پاپا نے اسے مری سے بلوا کر یہاں لاہور ہی میں داخل کرا دیا۔ حا[illegible] کتنی خواہش تھی کہ وہ انٹرمیڈیٹ سے ہی کرتا۔ لارنس کالج [illegible] مری میں سینٹ میری میں مینی بھی پڑھتی تھی۔

اور اُس روز بھی نہیں جب اُس کی سوتیلی ممی نے اس کمرے کو جس میں کیلی کا وہ سامان پڑا رہتا تھا جس سے وہ مختلف چیزیں بنایا کرتا تھا۔ خالی کروا کے سامان ٹین ڈبے لینے والے کے ہاتھ فروخت کر دیا۔

اور ہم روئے نہیں۔ اس لیے کہ ہم بہادر تھے۔

اور بہادر لوگ رویا نہیں کرتے بس ان کے آنسو اندر گرتے ہیں۔ قطرہ قطرہ کر کے اور ہمارے آنسو بھی اندر گرتے تھے۔ قطرہ قطرہ کر کے اور اب قطروں سے اندر دریا بنتا جا رہا تھا اور جب ہم اس دریا میں ڈوبنے لگتے تو ہم بچپن کی کسی بات کو یاد کر کے خوب قہقہے لگاتے۔ زور زور سے اونچے کھلے قہقہے اور پھر یہ قہقہے ہمیں ڈوبنے سے بچا لیتے۔ ہم ہاتھ پاؤں مارتے سطح پر آ جاتے۔

مینی بھی مری سے آ گئی تھی۔ وہاں اُس کا دل نہیں لگتا تھا۔

"کیلی! اتنے اداس کیوں رہتے ہو؟" وہ پوچھتی۔

"نہیں تو۔" کیلی ہنس دیتا۔

"ماں باپ ہمیشہ ساتھ تو نہیں رہتے۔"

"جانتا ہوں۔"

"پھر؟"

"کچھ نہیں۔" وہ مینی کو اپنے دکھوں میں شریک نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"میں خود غرض نہیں ہوں یار۔" وہ مجھ سے کہتا۔

"میں مینی کے پاس بیٹھ کر رونا نہیں چاہتا۔ میں اُسے خوشیاں دینا چاہتا ہوں آنسو نہیں۔"

وہ اپنے دکھ صرف مجھ سے شیئر کرتا تھا۔

اس کے پاپا اس سے بے نیاز ہو گئے تھے۔

اور سوتیلی ماں کی آنکھوں میں اُس کا وجود کھٹکتا تھا۔

وہ چاہتی تھی کہ اس کے خاوند کے دونوں بچے اس گھر کی ہر چیز کے مالک بنیں۔ ہر وہ چیز جو کیلی کی تھی۔ وہ اُٹھا کر اس نے اپنے موٹے آلو کو دے دی تھی۔ مینی اسے موٹا آلو ہی کہتی تھی۔ وہ کیلی سے کوئی دو برس بڑا ہوگا۔ اور کیلی کی ماں نے اس کی اسپورٹس سائیکل بھی اسے دے دی تھی اس روز کیلی نے اپنے کمرے میں بیٹھ کر اس موٹے آلو کو بے حساب گالیاں دی تھیں اور کمرے کی چیزیں اٹھا اٹھا کر پٹخ دی تھیں۔ ان دنوں ہم انٹر میں تھے اور ہمارے امتحان ہونے والے تھے۔ پھر موٹے آلو نے اپنی ممی سے شکایات کر دی تو انہوں نے کیلی کو آ کر خوب ڈانٹا۔ خوب گالیاں دیں۔ خوب بددعائیں دیں۔

"اللہ کرے مر جاؤ تم۔"

اور ان کی ہر بددعا میرے دل میں تیر کی طرح لگتی رہی۔

اور کیلی اونچا اونچا بولتا رہا۔ لڑتا رہا۔ وہ تھک کر چلی گئیں۔

"کیلی!" میں نے ہولے سے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔

"تمہیں ان سے اس طرح اونچا نہیں بولنا چاہیے تھا۔ وہ تمہاری ماما ہیں۔"

"ہاں اسٹیپ مدر۔" (سوتیلی ماں)

اُس نے زمین پر تھوک دیا۔

"تم چاہتے ہو سونی! کہ وہ میری حق تلفی کرتی رہیں اور میں خاموش رہوں۔ سونی! انہوں نے میرے سینے میں زخم کر دیے ہیں۔" وہ اونچا بولتا۔ برتن اٹھا کر پھینک دیتا اور پھر پاپا سے ڈانٹ کھاتا لیکن پھر جب ہم تھرڈ ایر میں آئے تو وہ ایک دم خاموش ہو گیا۔ اب اس نے اسٹیپ مدر کی زیادتیوں پر بولنا چھوڑ دیا تھا۔ اُس کی خوبصورت آنکھوں میں ملال کے موسم کیا اترے تھے۔ وہ اور بھی خوبصورت ہو گئی تھیں۔

مینی کہتی۔

شہلا، مینی اور سنیلا کہتی ہیں۔ کیلی کی آنکھیں بہت خوبصورت ہیں۔"

"اور بتا ہے۔" وہ ہنستی۔ اُس کی آنکھیں بھی ساتھ ساتھ ہنستیں۔

"میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ خبردار میرے فیانسی کو کبھی غلط نظر سے نہ دیکھنا۔"

"اچھا تم نے ایسا کہا۔"

میں کیلی کی طرف دیکھ کر مسکراتا لیکن کیلی کی آنکھوں کی چُپ نہ ٹوٹتی تھی۔ پتا نہیں وہ اتنا مایوس کیوں لگنے لگا تھا۔ اور مینی کی تنبیہہ کے باوجود۔

شہلا، مینی اور سنیلا نے باری باری اُسے بہلانے کی کوشش کی لیکن میں جانتا تھا کہ وہ سوائے مینی کے کسی سے محبت نہیں کر سکتا۔ سو بالآخر تینوں مایوس ہو گئیں اور بابو، میں اور مینی اُن کی حماقتوں پر ہنستے مگر وہ چپ بیٹھا رہتا۔

"تم کیوں نہیں ہنستے کیلی؟"

"کیسے ہنسوں؟"

"جیسے ہم ہنستے ہیں۔ جیسے سونی اور بابو ہنستے ہیں۔"

"اچھا۔" وہ ہنسنے لگتا۔

ایک روز بابو کے گھر سرسوں کے ساگ کے ساتھ مکئی کی روٹی کھاتے ہوئے میں نے اس سے کہا۔

"کیلی! کیا تم زندگی سے ہار گئے ہو؟"

"نہیں۔"

"پھر اتنے تھکے تھکے کیوں لگتے ہو؟"

"پتا نہیں تھکن میری روح میں اتر گئی ہے شاید۔"

"نہیں کیلی! تمہیں یاد ہے ایک روز راوی کے کنارے بیٹھ کر ہم نے کہا تھا کہ ہم زندگی میں کبھی شکست نہیں مانیں گے۔ اور آخری لمحوں تک زندگی کا مقابلہ کریں گے۔"

"ہاں یاد ہے۔"

"تو چلو اس عہد کو دہرائیں۔"

اور مکھن سے سنے ہوئے ہاتھ ایک دوسرے کے ہاتھ پر رکھ کر ہم نے اس عہد کو دہرایا کہ ہم زندگی سے کبھی ہار نہیں مانیں گے۔ اور اپنے خوابوں اور اپنی آشاؤں کو کبھی ٹوٹنے نہیں دیں گے۔ ہمارے سینکڑوں فقرے خواب۔ دنیا میں محض ایک چیز کا احساس تباہ کن ہوتا ہے۔ شکست کا احساس اور ہم اس احساس کو کبھی اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیں گے۔"

اور پھر ہم دونوں دیر تک ہنستے رہے۔ یوں ہی بلاوجہ

اور واپسی پر رادی کے پُل پر سے نیچے بہتے دریا میں زور سے پتھر مارتے ہوئے کیلی نے کہا۔

"اور میں اس موٹے آلو پر لعنت بھیجتا ہوں اور میں اس سے ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوں کیونکہ مجھے پتا ہے۔ مینی مجھ سے محبت کرتی ہے۔"

اور تب مجھے پتا چلا تھا اس روز کہ کیلی کے دل پر اپنی سوتیلی ماں کی زیادتیوں کے علاوہ ایک اور بوجھ بھی گرا ہوا ہے۔ اور وہ ہے موٹے آلو کا مینی پر بڑھتا ہوا التفات۔

اور پاپا موٹے آلو کو بہت چاہنے لگے ہیں۔

"گڑیا سے بھی زیادہ (گڑیا اس کی سوتیلی بہن تھی۔ اس کے پاپا کی بیٹی)

اس نے چلتے چلتے مجھے بتایا۔

"دفع کرو موٹے آلو کو، آؤ مینی کی طرف چلتے ہیں۔"

اور اس روز مینی کے گھر ہم نے بہت انجوائے کیا۔

دو تین گھنٹے تک مسلسل تاش کھیلتے رہے۔

مینی نے حسب معمول بے ایمانی کی اور کیلی نے اسے اگنور کیا پھر مینی نے ہمیں چپس کھلائے کوک پلائی اور سرخ فوکسی میں دیر تک گھومتے رہے اور جب وہ اپنی سرخ فوکسی سے ٹیک لگائے ہنس ہنس کر کیلی سے باتیں کر رہی تھی تو گیٹ پر موٹا آلو نمودار ہوا اور اس نے جو برا سا منہ بنایا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر کیلی بے اختیار ہنس دیا تھا۔

اور ہم تینوں بہت دیر تک ہنستے رہے۔ وہیں کھڑے کھڑے باتیں کرتے رہے۔ کیلی آج خوش تھا۔ اور مینی بھی۔ پھر کیلی نے ہی ہمیں خدا حافظ کہا۔

"جاؤ مینی! اب دیر ہو گئی ہے۔"

"اور سونی۔"

"میں چلا جاؤں گا۔"

پھر اس دن کے بعد کیلی بدل گیا۔

ہم خوب ہنستے، خوب قہقہے لگاتے اور حال کی زمین سے رنگین شیشے چن چن کر اپنے لیے مستقبل کے خواب محل بناتے۔

کیلی کہتا۔

"مینی! میں ایک بار اپنے پیروں پر کھڑا ہو جاؤں پھر دیکھنا تم میں کیا کرتا ہوں۔ میرے پاس بہت آئیڈیاز ہیں۔ مینی مگر پاپا مجھے پیسہ نہیں دیتے۔"

"میں اکلوتی ہوں نا کیلی! پاپا اور ماما کا سب کچھ میرا ہے۔ تم اس طرح کرنا میرے زیورات اور میرے پیسے سے ایک بڑی سی ورکشاپ بنانا۔ جہاں تم اپنے تجربے کرنا۔ وہ جہاز جس کا نقشہ تمہارے ذہن میں ہے۔ وہ کمپیوٹر جو تم بنانا چاہتے ہو!"

"ہوں۔" کیلی اس کی بات کاٹ دیتا۔

"میں تمہارا پیسہ خرچ نہیں کروں گا۔"

"تو میرا اور تمہارا پیسہ کوئی الگ ہو گا کیلی؟" وہ معصوم سی حیرت سے پوچھتی۔

"آخر ہم ایک ہی تو ہوں گے۔"

"نہیں، وہ تو تمہارے باپ کا دیا ہوا ہو گا۔ میں اپنے زور بازو سے کماؤں گا۔"

"اچھا جیسے تمہاری مرضی۔"

وہ اسے ناراض نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اس لیے اس کی ہر بات مان لیتی۔

"اور پھر تم ورکشاپ میں کام کرنا اور میں اپنے اسٹوڈیو میں بیٹھ کر تصویریں بنایا کروں گی۔"

"ہاں، میں اپنی پہلی ایجاد فروخت کر کے سب سے پہلے تمہارے لیے ایک شاندار اسٹوڈیو بناؤں گا۔"

"اور اس اسٹوڈیو کی ایک کھڑکی تمہاری ورکشاپ میں کھلے گی اور جب ہم کام کرتے کرتے تھک جایا کریں گے۔ تو کھڑکی میں سے ایک دوسرے کو دیکھا کریں گے۔ اور باتیں کریں گے۔"

"نہیں بھئی، پھر کام کیسے ہو گا؟"

کیلی پریشان ہو جاتا۔

"ہم تو ایک دوسرے کو ہی دیکھتے رہیں گے۔"

اور میں سوچتا اس خوابوں کے گھر کے ایک کونے میں ایک کمرا میں بھی بنواؤں گا اور کیلی اور مینی کی کہانی لکھوں گا۔

ایک لڑکا تھا کیلی۔

اور ایک لڑکی تھی مینا چینا مینی۔

دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔

اور پھر دونوں کی شادی ہو گئی۔

"ہوں بھئی، یہ کیا کہانی ہوئی اتنی مختصر کہانی۔"

میں سر جھٹک کر پھر ان کی طرف متوجہ ہو جاتا۔ کیلی کے ہاتھ میں مینی کا ہاتھ ہوتا۔

"اور میں کہوں گا مینی کی بچی اٹھو اتنے کو دیکھو کتنا رو رہا ہے۔"

"اور میں کہوں گی پلیز آپ ہی اٹھا لیں نا۔ دیکھ نہیں رہے

میں کتنی اہم تصویر پر کام کر رہی ہوں۔"

اور میں کہوں گا۔

"تم دیکھ نہیں رہیں کہ میں اپنے شاندار ماڈل جہاز ایس۔ ایم ۹۱۲ پر کام کر رہا ہوں۔ یہ جنگی ایس ایم ۹۱۲ پوری دنیا میں تہلکہ مچا دے گا۔ احمق لڑکی تم نہیں چاہتیں کہ تمہارا شوہر، اور میری تصویر بھی تو۔"

"اوہ بھئی تم دونوں کو لڑنے کی ضرورت نہیں، میں جو ہوں گا تمنے کو اٹھانے اور چپ کرانے کے لیے۔ تم دونوں کام کرنا اور ہم سنا اور میں باغ میں جھولا جھولیں گے۔ کہانیاں سنیں گے اور سنائیں گے۔"

"ارے ہاں۔" کیلی کہتا۔

"آخر یہ سونی بھی تو ہوگا۔ پھر ہمیں تمنے کے لیے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔"

اور پھر ہم تینوں کھلکھلا کر ہنس پڑتے۔ ہنستے رہتے۔ یہاں تک کہ ہماری آنکھوں میں آنسو بھر جاتے اور میں ہنستے ہنستے اسے یاد دلاتا کہ اس کے خوابوں کے اس گھر میں ایک کمرا میرا بھی ہوگا۔

"کیوں نہیں کیوں نہیں۔ ایک نہیں دو کمرے۔" مینی کہتی۔

"ایک تمہارا پڑھنے لکھنے کا کمرا ہوگا جہاں کبھی کبھی تنہائی میں بیٹھ کر تم کہانیاں لکھنا۔"

مینی کو پتا تھا مجھے کہانیاں لکھنے کا شوق ہے۔

اور کبھی جو بابو ہماری باتیں سنتا تو حیران حیران آنکھوں سے ہمیں تکتا۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئے ہو۔" وہ پوچھتا۔

اور پھر خود ہی تصدیق کر دیتا۔

"یقیناً تم پاگل ہو۔"

اور اس کی اس یقین دہانی کے باوجود ہم اکثر ایسے خواب دیکھتے تھے۔ اس ایس۔ ایم ۹۱۲ کے جس کا خاکہ کیلی کے ذہن میں ہی رہا۔ جس کا نام اس نے اپنے اور مینی کے ناموں کے پہلے حرف پر رکھا تھا۔ ۹ اگست کیلی کی تاریخ پیدائش تھی اور ۲ اکتوبر مینی کی اس طرح اس جنگی جہاز کا نام ایس ایم ۹۱۲ رکھا جانا تھا۔ جو کبھی نہ بن سکا۔

اور اس گھر کے جس میں ایک ورکشاپ اور ایک اسٹوڈیو تھا اور جس کے ایک کونے میں دو کمرے میرے لیے بھی تھے۔ خواب دیکھتے دیکھتے ہم نے بی ایس سی کا امتحان دے دیا۔ اور جس روز میرا آخری پرچا تھا۔ اس روز میرا چاچا ہارٹ اٹیک سے مر گیا۔ میں پرچا دے کر آیا تو پڑوسیوں سے پتا چلا کہ جس جگہ چاچا کام کرتا تھا۔ وہاں سے لوگ بتانے آئے تھے کہ کام کرتے کرتے چاچا کی طبیعت خراب ہو گئی ہے۔ اور اسے ہاسپٹل لے گئے ہیں۔ میں بھاگم بھاگ وہاں پہنچا لیکن چاچا کو شاید بہت جلدی تھی۔ وہ میرا انتظار ہی نہ کر سکا۔

مینی، بابو اور کیلی کئی دن تک میرے پاس آتے رہے۔ صبح سے شام تک میرے پاس بیٹھے رہتے کبھی کیلی میرا ہاتھ تھام کر اپنے ہاتھوں میں لیے بیٹھا رہتا اور کبھی بابو اور کبھی مینی۔ یوں میں نے ان تینوں کی محبت کے سہارے اس شدید اور گہرے غم کو برداشت کر لیا۔

بغیر روئے اور بغیر آنسو بہائے۔

اور چاچا کی موت کے ٹھیک دس دن بعد ہم دونوں میں اور کیلی راوی میں پتھر پھینکتے ہوئے ہنس رہے تھے اور عہد کر رہے تھے کہ ہم کبھی نہیں ہاریں گے اور زندگی کو جو چاہنا ہے، کرنے اور جو لینا ہے چھین لے۔

"سوائے مینی کے۔ میں مینی کے بغیر نہیں رہ سکتا سونی۔"

اس روز کیلی نے اعتراف کیا۔

"میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں بس سوائے مینی کی جدائی کے۔"

"اور مینی بھی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

میں نے اسے یقین دلایا۔

اور ہم دونوں وہاں سے سیدھے مینی کی طرف چلے آئے۔

بہاولنگر اور اطراف
چشتیاں، حاصل پور، ہارون آباد
میں
خواتین ڈائجسٹ، عمران ڈائجسٹ،
ماہنامہ شعاع، کرن اور حنا،
کے سول ایجنٹ
رہبر نیوز ایجنسی
ریڈیو مارکیٹ، تحصیل بازار بہاولنگر
منڈی مدرسہ، ضلع بہاولنگر

مینی ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ اور لان میں بیٹھ کر چائے پیتے ہوئے ہم باتیں کرتے رہے ہنستے رہے، اور خواب دیکھتے رہے۔

سنہرے جگمگاتے فقرئی خواب۔

ہمارا رزلٹ آنے میں ابھی تین ماہ تھے۔ سو ہم فارغ تھے کیلی الیکٹریکل انجینئر بننا چاہتا تھا۔ مینی کو مصور بننا تھا۔ بابو نوکری کی تلاش میں تھا۔

"دراصل میری ماں مجھے مزید تعلیم نہیں دلا سکتی ہے۔" بابو نے ہمیں بتایا۔

"اور اب مجھے اپنی بہنوں کا اور ماں کا سہارا بننا ہے۔"

سو وہ سارا وقت نوکری کی تلاش میں رہتا تھا۔ اور میں میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کروں گا، چاچا نہیں رہے تھے اور میں نے وہ مکان چھوڑ کر ایک چھوٹا سا کمرا لے لیا تھا اور اپنی ضرورت کے سامان کے علاوہ سب سامان فروخت کر دیا تھا۔

شاید میں بھی اپنی تعلیم جاری نہیں رکھ سکتا تھا بابو کی طرح۔ لیکن ابھی میں اس کے بارے میں سوچنا نہیں چاہتا تھا چنانچہ میں کیلی اور مینی ہم تینوں بہت انجوائے کرتے راوی کے کنارے شالیمار میں۔

مقبرہ جہانگیر میں گھومتے ہوئے ہم خوب باتیں کرتے خوب ہنستے، واپسی پر میٹھا پان کھا کر آتے جاتے لوگوں پر ریمارکس پاس کرتے ہوئے ہم واپس آجاتے، اور کبھی کبھی مینی کے گھر بیٹھ کر تاش کھیلتے۔ اور جب تھک جاتے تو مینی کی سرخ فوکسی میں بیٹھ کر آئس کریم کھانے چل دیتے۔ اور جب آئس کریم کھاتے ہوئے دانت بجنے لگتے، تو ایک دوسرے کو دیکھ کر خوب ہنستے اور لمبی لمبی طویل سڑک پر بھاگ کر اپنے جسموں کو گرم کرتے اور پھر مینی کی سرخ فوکسی میں لد کر واپس آجاتے۔ پہلے مینی مجھے میرے کمرے میں چھوڑتی (جسے کیلی میری کھولی کہتا تھا) پھر وہ اور مینی چلے جاتے جب تک اس کی فوکسی نظر آتی رہتی میں دیکھتا رہتا۔

ایک روز خوب بارش ہوئی ہم اور کیلی بہت دیر تک کھڑکی کی گرل سے ناک لگائے باہر برستی بارش کو دیکھتے رہے، اور جب ہماری ناکیں بالکل سرد ہو گئیں تو کھڑکی کے پاس سے ہٹتے ہوئے کیلی نے کہا۔

"سونی! یہ جو بارش ہے نا۔"

"ہاں۔" میں بھی کھڑکی کے پاس سے ہٹ آیا۔

"کبھی کبھی ایسی بارش میرے اندر بھی ہوتی ہے، اور اس بارش میں میرے سارے فقرئی خواب بھیگ جاتے ہیں۔ یوں جیسے کوئی قیمتی تصویر بارش میں بھیگ کر خراب ہو جائے۔ اور پھر میں اپنے ان بھیگے ہوئے خوابوں کو یوں ہی موڑ توڑ کر ڈسٹ بن میں پھینک دیتا ہوں، جس طرح کسی بھیگے ہوئے بیکار کاغذ کو۔ مگر پھر میرا اندر ایکدم خالی خالی ہو جاتا ہے سونی۔ بالکل ویران۔ یہ خواب بھی کیسے آدمی کے اندر اجالا سا کر دیتے ہیں رونق پھیلا دیتے ہیں۔ ہیں نا؟"

"ہاں۔"

"تم بھی خواب دیکھتے ہو نا۔"

"ہاں میرے خواب بھی تمہارے خوابوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہیں۔ بس میرے خوابوں میں کوئی مینی نہیں ہے۔" میں نے آہستگی سے کہا۔

"زندہ رہنے کے لیے کسی مینی کا ہونا بہت ضروری ہے۔ سونی۔ ہے نا۔ تم۔ تم تمہیں سنیلا کیسی لگتی تھی۔؟"

"اچھی تھی۔"

"نہیں شہلا زیادہ اچھی تھی۔ تم بھی کسی سے محبت کر کے دیکھو۔"

"کرتا تو ہوں۔"

"کس سے؟ ایڈیٹ مجھے بتایا کیوں نہیں۔"

"تم سے، مینی سے، اور بابو سے۔"

اور کیلی کی آنکھیں نم ہو گئیں۔

"چلو۔ بارش میں بھیگتے ہوئے بابو کے گھر جاتے ہیں۔ اور اس کی ماں کے ہاتھوں کی بنی ہوئی گڑ کی چائے پیتے ہیں، ماں کے ہاتھ کی بنی ہوئی شے میں عجیب سی مہک ہوتی ہے۔ ماما کی مہک۔ ہیں نا۔"

"ہاں۔"

"بابو ہم سے زیادہ لکی ہے سونی۔"

"ہاں۔"

اور ہم دونوں اپنی جینز کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے بارش میں بھیگتے ہوئے بابو کے گھر پہنچے۔ بابو کی ماں نے ہمیں خوب ڈانٹا اور ہمیں گڑ کی چائے پلائی، اور چائے پی کر ہم اس کے منع کرنے کے باوجود پھر بارش میں بھیگتے ہوئے واپس آئے پہنچے۔

راستے میں ہمیں مینی ملی، اپنی سرخ فوکسی میں وہ ہمیں ڈھونڈ رہی تھی۔

"کیلی کے بچے! یہ کیا تک ہے بارش میں گھومنے کی۔"

اور ہم کانپتے ہوئے اس کی فوکسی میں گھس گئے اور اس

نے بتایا کہ اُس نے فون کیا تھا۔ تو موٹے آلو نے بتایا تھا کہ تم دونوں کچھ دیر پہلے ہی گھر سے گئے ہو۔"

"اور کیا کہا تھا اُس نے؟" کیلی نے پوچھا۔

اُس کی آنکھیں سُرخ ہو رہی تھیں اور پانی کے قطرے اُس کے بالوں سے ٹپک رہے تھے۔

"اور۔" مینی نے اُس کی طرف دیکھا۔

"بکواس کر رہا تھا۔"

"کیا۔؟"

"کچھ نہیں۔" مینی کا چہرہ سُرخ ہو گیا۔

"دیکھنا سولی کسی دن میں اس موٹے آلو کا بھرتا بنا دوں گا۔"

کیلی نے غصے سے سیٹ کی پشت پر مُکا مارا۔

"بیٹی کیلی کسی دن اُس کا بھرتا بنا ہی ڈالو۔" مینی نے اُس کی تائید کی۔

"تم دیکھنا مینی! یہ شخص میرے ہی ہاتھوں عدم کو پہنچے گا۔"

گھر آ کر مینی کے ڈانٹنے پر ہم نے فوراً کپڑے بدلے اور کمبل لپیٹ کر ہیٹر لگا کر بیٹھ گئے، ہمارے دانت باقاعدہ بج رہے تھے۔ مینی ہمیں ڈانٹتے ہوئے کچن میں چلی گئی۔ اور اُس نے ہمیں دار چینی والا قہوہ پلایا۔ اور کیلی کی سوتیلی ماں غصے سے دو تین بار ہمیں گھورتی ہوئی کمرے کے باہر سے گزری لیکن مینی کی وجہ سے اُس نے کچھ نہیں کہا، کیونکہ وہ مینی کا بہت لحاظ کرتی تھی اور جیسا کہ بعد میں پتا چلا تھا وہ مینی کو بہو بنانا چاہتی تھی کیونکہ موٹا آلو اُسے پسند کرتا تھا، اور مینی اپنے کروڑ پتی والدین کی اکلوتی بیٹی تھی، اور وہ بہت خوبصورت تھی۔

ہنستی آنکھوں۔

اور اسٹرا بیری جیسے سُرخ ہونٹوں والی مینی۔

دار چینی والا قہوہ پی کر ہم دیر تک "بلیک کوئن" کھیلتے رہے۔ اور مینی اپنی پسند کے گانے سُنتی رہی۔ اونچی آواز میں ٹیپ لگائے، اور موٹا آلو بے چارا بے چینی سے برآمدے میں ٹہلتا رہا۔

"موٹے آلو کے پیٹ میں مروڑ اٹھ رہے ہوں گے۔ دیکھنا تو جا کر۔"

کیلی تھوڑی دیر بعد میرے کانوں میں سرگوشی کرتا۔ اور میں دروازے میں جا کر دیکھتا اور اثبات میں سر ہلا دیتا۔

"میں اُسے قتل کر دوں گا۔"

وہ تکیے پر مُکا مارتا۔

"اور جب تجھے مینی آتی ہے، اُس کے یوں ہی مروڑ اُٹھنے لگتے ہیں۔"

اور اُس روز بارش وقفے وقفے سے ہوتی رہی اور میں کیلی کے کمرے میں ہی سو گیا۔ اور اُس روز یہ جان کر مجھے دکھ ہوا کہ کھانے کے وقت کسی نے کیلی کو نہیں بلایا تھا جیسے وہ اس گھر کا فرد نہ تھا۔ کیلی خود ہی اُٹھ کر گیا اور کچن سے میرے اور اپنے لیے کھانا لے آیا۔

"کیلی! تم سب کے ساتھ کھانا نہیں کھاتے ہو؟"

"نہیں، جب سے میری سٹیپ مدر اس گھر میں آئی ہیں تب سے نہیں۔"

"اور تمہارے پاپا؟"

"پاپا!" اُس نے قہقہہ لگایا، ایسا قہقہہ جس میں ٹوٹے ہوئے شیشوں کی کھنک تھی۔

"پاپا! ماما سے ڈرتے ہیں اور اُنہیں تو شاید یہ بھی یاد نہ ہو کہ میں شکیل احمد کیلی اُن کا بیٹا ہوں۔ اور تمہیں پتا ہے سونی وہ موٹے آلو اور سُوکھے بانس کو بڑے فخر کے ساتھ اپنے دوستوں سے متعارف کرواتے ہیں۔"

"یہ میرے بیٹے ہیں احمد اور حیدر۔" اور انہیں خیال تک نہیں آتا کہ اُن کا ایک اور بیٹا بھی ہے۔ کیلی گراہم بیل لیکن مجھے پروا نہیں۔"

اور پھر وہ دیر تک ہنستا رہا۔ یوں ہی بلا مقصد۔

اُس رات کیلی کو بخار ہو گیا بہت تیز۔

بخار کی حالت میں کبھی وہ باہر کی طرف اُٹھ کر بھاگتا، کبھی ماما ماما پکارتا۔ اور کبھی چیخ چیخ کر کہتا کہ وہ اس دنیا پر اپنے ایس۔ ایم ۱۱۲ سے بم گرا کر اسے ختم کر ڈالے گا۔ یہ دنیا جو بڑی بے انصاف ہے، اور اُس روز میں نے جانا تھا کہ وہ جو کیلی کہتا تھا کہ وہ بہت بہادر ہے اور بہت مضبوط اور یہ کہ وہ کبھی شکست نہیں کھائے گا۔ اندر سے تو وہ ٹوٹ پھوٹ گیا ہے، ٹوٹ پھوٹ چکا ہے۔ اور اُس کی حالت دیکھ کر میں اُس کے پاپا کو بلا لایا۔

"پاپا! کیلی کی حالت بہت خراب ہے۔"

میں بہت گھبرایا ہوا تھا۔

"کیا ہوا ہے اسے؟"

وہ ناشتہ کر رہے تھے، موٹا آلو اور سوکھا بانس دونوں ڈائننگ ٹیبل پر موجود تھے اور کیلی کی سوتیلی ماں اپنی بیٹی کو ناشتا کروا رہی تھی۔ اُس نے بڑی ناگواری سے مجھے دیکھا۔

"کیا ہوا ہے۔ فلو ہو گیا ہو گا۔"

"نہیں پاپا پلیز! آپ ایک بار چل کر دیکھیں تو۔" (میں انہیں پاپا ہی کہتا تھا)

اور پاپا جانے کیا سوچ کر میرے ساتھ چلے آئے۔ اُس وقت کیلی اپنا سر زور زور سے تکیے پر پٹخ رہا تھا اور ماما ماما پکار رہا تھا۔ پاپا دروازے کے درمیان میں کھڑے تھے، میں نے لپک کر اس کا سر گود میں رکھ لیا۔

"کیلی کیلی۔"

پاپا ساکت کھڑے تھے۔ میں نے دیکھا اُن کی نگاہیں شیلف پر جمی تھیں، جہاں کیلی نے اپنے ماما کی بڑی سی تصویر رکھ چھوڑی تھی۔ پھر ہولے ہولے چلتے ہوئے اس کے قریب آئے اور اُس کی پیشانی سے بال ہٹاتے ہوئے انہوں نے اُس کی پیشانی پر بوسا دیا۔ اور پھر تیزی سے باہر نکل کر ڈاکٹر کو فون کرنے لگے۔

کیلی کو نمونیا ہو گیا تھا۔

اگرچہ وہ موت کے منہ سے نکلا تھا، لیکن اُس کے کھوئے ہوئے پاپا اُسے مل گئے تھے، وہ بہت خوش تھا۔ پاپا نے کئی بار کہا۔

"سونی! میرا دل چاہتا ہے کیلی کو باہر بھجوا دوں، اُس میں بڑا ٹیلنٹ ہے۔"

اور کیلی کی آنکھیں چمکنے لگتیں۔

اُس کے چہرے کی سُرخی اور اُس کی آنکھوں کی چمک لوٹ آئی تھی۔ اُن دنوں ہم سب کتنے خوش رہا کرتے تھے، پاپا پوری کوشش کرتے تھے کہ وہ گئے سالوں کی تلافی کر سکیں۔

ماما خفگی میں رہتی تھیں۔

اور موٹا آلو فلیٹ گالیاں دیتا یوں ہی بے وجہ اور ہم کیلی کے کمرے میں بیٹھ کر اُس کی جھنجلاہٹ پہ ہنستے اور کورس میں ہوا۔ ہوا۔ اے ہوا گاتے۔ اُن ہی دنوں پاپا کے اصرار پہ ہم سولت کی سیر کا پروگرام بنا رہے تھے کہ اچانک پاپا کو فالج ہو گیا۔ کیلی بہت اُداس اور پریشان تھا اور سارا وقت پاپا کے پاس ہاسپٹل میں رہتا۔ ہم سب اُسے تسلیاں دیتے۔ مگر پتا نہیں کیوں میرا دل اندر سے بجھ گیا تھا۔ اور میرے اندر ریانتا جا رہا تھا۔

کیلی کہتا۔

"سونی! پاپا کو کچھ نہیں ہو گا نا؟"

"ہاں۔" میں اُسے یقین دلاتا۔

"میں شاید بہت زیادہ خوش رہنے لگا تھا اور مجھے یہ خوشی راس نہیں آئی۔"

"کیلی دنیا میں اتنے لوگ ہیں اور انہیں کوئی دُکھ نہیں ہوتا۔ احمق اور بیوقوف لوگوں کو کوئی غم نہیں ہوتا اور یہ کوئی کلیہ تو نہیں ہے کہ جو بہت خوش ہو اُسے بہت غم ملے۔"

"شاید۔ مگر میرا دل سونی پتا نہیں اُسے کیا ہو رہا ہے۔"

"کچھ نہیں ہو گا کیلی! بی بریو مائی فرینڈ۔ یاد ہے نا ہم بہادر ہیں۔ وہ ہمارا عہد، اور وہ ہمارا سونگ SONG!"

"ہاں یاد آیا۔" وہ مسکرایا۔

اور ہاسپٹل کے چکنے فرش پر ہاتھوں میں ہاتھ دیے چلتے ہوئے ہم ہولے ہولے گنگنانے لگے۔

WE ARE BRAVE AND WE ARE HAPPY

(ہم بہادر ہیں۔ ہم خوش ہیں۔)

مگر خوشیاں تو کیلی کے پاس سے رخصت ہونے کے لیے ہی آئی تھیں۔ انہوں نے اپنا رختِ سفر باندھ لیا تھا۔

ٹھیک چار مہینے بعد بی۔ ایس۔ سی میں شاندار کامیابی حاصل کرنے کے بعد جب کیلی اسے باہر جانے کی تیاری کر رہا تھا اور پاپا گھنٹوں اُسے پاس بٹھا کر ڈھیروں نصیحتیں کرتے تھے، اور وہ بچوں کی طرح اُن سے اپنے ایس ایم ۹۱۲ کی باتیں کرتا اور پاپا بھی بچوں جیسے اشتیاق سے اُس کی باتیں سُنتے اور اُس کے خوابوں میں اپنی باتوں سے رنگ بھرتے جاتے۔ کہ پاپا پر اچانک فالج کا دوسرا اٹیک ہوا اور کیلی کے خواب بکھر گئے۔

پاپا کے دماغ کی رگ پھٹ گئی۔

اور ٹھیک بارہ گھنٹے بعد پاپا نے بغیر کوئی بات کیے۔ بغیر آنکھیں کھولے ہاسپٹل کے شفاف بیڈ پر ہمیشہ کے لیے آنکھیں موند لیں۔

کیلی ساکت کھڑا سب کو دیکھتا رہا۔

خوابوں کی تعبیر ہاتھوں میں آ کر پھسل گئی تھی۔

پاپا کے مرنے کے بہت سارے دنوں بعد ایک شام جب میں نے اپنی چارپائی بھی پینتیس روپے میں فروخت کر دی تھی، اور پینتیس روپے نقد جیب میں ڈالے اپنے کمرے میں زمین پر بستر بچھائے سوچ رہا تھا، کہ اب کیا ہو گا۔

کمرے میں اب کوئی اور چیز قابلِ فروخت نہیں رہی تھی، اور نوکری مل نہیں رہی تھی۔

بی۔ ایس۔ سی فرسٹ ڈویژن میں کرنے کے باوجود بابو ایک دکان پر سیلز مین بن گیا۔ بی۔ ایس۔ سی درجہ اوّل، اور ایک کپڑے کی دکان پر سیلز مین۔

میں نے آنکھیں موندے موندے سوچا۔

کہ میں بھی کہیں سیلز مین بن جاؤں۔ اور ابھی میں بابو کی طرف جانے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ کیلی آگیا۔ تھکا تھکا اور نڈھال سا۔

"یہ ایک نوکری کا اشتہار ہے۔ ایک پرائیویٹ کمپنی میں۔ چلو دونوں ٹرائی کرتے ہیں۔"

اُس نے اخبار میری طرف پھینک دیا اور زمین پر بچھی دری پر اپنے بازو کا تکیہ بنا کر لیٹ گیا۔

"تم ایڈمیشن نہیں لے رہے؟"

"نہیں۔"

"اور تمہیں تو باہر جانا تھا کیلی! پاپا نے تقریباً تمام انتظام کر لیا تھا۔"

"مگر اب پاپا نہیں ہیں نا سونی۔"

"اور تمہیں پتا ہے۔" وہ یکایک اُٹھ بیٹھا۔

"آج رات میری اسٹیپ مدر نے مجھ سے کہا ہے، اگر مجھے اس گھر میں رہنا ہے تو مجھے خود کما کر لانا چاہیے، اور یہ کہ پاپا نے کچھ نہیں چھوڑا میرے لیے۔"

"پاپا کا اتنا بڑا بزنس تھا، اصولاً تم ہی اس سارے بزنس کے مالک ہو۔"

"گڑیا بھی تو ہے۔"

"ہاں گڑیا بھی۔ کیلی تم ماما سے بات کرو، اپنا حق لو۔ اور باہر چلے جاؤ، اپنے آپ کو ضائع نہ کرو فرینڈ۔"

"وہ کہتی ہیں پاپا کے پاس کچھ نہیں رہا تھا۔ اور جو تھوڑا بہت تھا، وہ سب انہوں نے گڑیا کے نام کر دیا تھا۔"

"لیکن کیسے؟ پاپا اتنے بے انصاف تو نہیں ہیں۔" میں نے احتجاج کیا۔

"چلو وکیل کے پاس چلتے ہیں۔"

"کوئی فائدہ نہیں۔" کیلی تھک کر پھر لیٹ گیا۔

"میں نے وکیل سے بات کی تھی۔"

"کیس کر دو۔"

میں نے مشورہ دیا۔

"نہیں۔" اُس نے آنکھیں موندے موندے کہا۔

"میں اپنے لیے خود راستے تلاش کروں گا۔ ہم اپنا مقام خود بنائیں گے سونی۔"

"لیکن اتنے ہجوم میں ہمیں راستہ ملے گا کیلی؟" میں نے افسردگی سے پوچھا۔

"کیوں نہیں۔ سونی! ملے گا۔ ہم ڈھونڈیں گے تو ملے گا۔ اور ہم ہار نہیں مانیں گے سونی کبھی نہیں۔"

ہم نے اپنے عہد کو دہرایا۔ اور ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر اپنا پسندیدہ سونگ گایا۔

WE ARE BRAVE AND NO ONE CAN HURT US.

(ہم بہادر ہیں اور ہمیں کوئی خوفزدہ نہیں کر سکتا۔)

پھر یونہی گنگناتے ہوئے ہم باہر نکل گئے۔ میری جیب میں پینتیس روپے تھے، اور میں اُس وقت دنیا کا امیر ترین آدمی تھا، سو ہم نے خوب عیاشی کی، تین تین کپ چائے پی۔ اور چائے پی کر بس کے پائیدان پر لٹکتے ہوئے ہم بابو کی طرف چلے گئے۔

ہم — میں اور کیلی۔

کیلی جس کے پاپا کا بہت بڑا بزنس تھا اور جس کے گھر کے پورچ میں اب بھی دو دو گاڑیاں کھڑی تھیں۔

اور میں جس کے بابا حیات بخش چودھری کئی مربع زمین کے مالک تھے۔

ہم دونوں لٹکتے ہوئے بابو کے گھر گئے۔

اور وہاں بیٹھ کر بابو کے تجربے سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ہم نے درخواستیں لکھیں اور بابو کے حوالے کیں کہ صبح صبح وہ دکان پر جاتے ہوئے انہیں پوسٹ کر دے۔ اور پھر یہ سلسلہ چل ہی نکلا۔

بڑے بڑے ایرکنڈیشنڈ آفسوں سے ہم منہ لٹکائے واپس آجاتے۔

بابو کی نوکری چھوٹ گئی تو اُس نے ماں کا بچا کھچا زیور بیچ کر کتابوں کی چھوٹی سی دکان کھول لی تھی۔ اور ہم دفتروں کی خاک چھانتے۔

لاہور کی سڑکوں پر آوارہ گردی کرتے۔

اور تھک کر بابو کی دکان پر لکڑی کے سخت بنچ پر آکر لیٹ جاتے۔

ہم زندگی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے کھڑے تھے۔

ہم نے ہار نہیں مانی تھی۔ شکست نہیں کھائی تھی۔

نیند کی گولیاں کھا کر سوئے نہیں تھے۔ ریل کی پٹری پر نہیں لیٹے تھے، پستول اپنی کنپٹیوں پر نہیں رکھے تھے، لیکن اُس روز راوی کے کنارے اپنی مخصوص جگہ پر بیٹھے بیٹھے کیلی نے کہا۔

"سُنو سونی تمہیں یاد ہے، تم نے اپنے بابا کا انتقام لینا ہے۔ اور تم نے کہا تھا کہ تم مجھے ساتھ لے چلو گے؟"

"ہاں۔"

"تو چلو تمہارے بابا کا انتقام لیں۔"

مگر جب راوی کے پانیوں میں پتھر پھینکتے ہوئے میں نے اپنے اندر جھانکا تو وہاں انتقام کی آگ بجھ چکی تھی۔ میں نے کہیں پڑھا تھا کہ انتقام کی آگ کبھی نہیں بجھتی، لیکن شاید میرے اندر انتقام کی آگ جلی ہی نہیں تھی، اور اُس روز راوی کے کنارے بیٹھے بیٹھے میں نے دل ہی دل میں چاچا سے معذرت کر لی، میں انتقام نہیں لے سکتا تھا۔ میں تو محبت کا پیامبر تھا۔ اور لفظوں سے کھیلنا چاہتا تھا۔

لفظوں سے کھیلنے والے آگ اور خون کا کھیل نہیں کھیلتے اور میں نے کیلی سے کہا۔

"نہیں کیلی! ہم کسی سے انتقام نہیں لیں گے۔"

لیکن زندگی ہم سے نہ جانے کس بات کا انتقام لے رہی تھی۔ اُس رات جب ہم مینی کے پاس گئے تو مینی کی ماما نے ناگواری کا اظہار کیا۔ بلکہ صاف لفظوں میں کہا۔

"مینی! مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ تم اتنی دیر تک فضول میں لڑکوں کے ساتھ گپ لگاؤ۔"

"لڑکوں کے ساتھ۔"

مینی کی آنکھیں یقیناً حیرت سے پھیل گئی ہوں گی۔

ہم مینی کے کمرے میں بیٹھے اُس کی ماما کی آواز صاف سُن رہے تھے۔

"یہ کیلی اور سونی ہیں ممی۔"

"ہاں کیلی ہو یا سونی مجھے پسند نہیں۔"

"ممی!"

اُس نے احتجاج کرنا چاہا تھا لیکن ممی شاید چلی گئی تھیں، کیلی نے مجھے دیکھا، میں نے نظریں جھکا لیں۔

"چلو سونی! گھر چلیں۔"

وہ ایک دم ہی بہت تھکا تھکا نظر آنے لگا تھا۔

مینی کی خوبصورت آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں کیلی نے اُس کی طرف نہیں دیکھا۔

"سوری کیلی! پتا نہیں آج ممی کو کیا ہوا ہے۔"

اُس نے معذرت کی۔

کیلی خاموش رہا، وہ جانتا تھا کہ ممی کو کیا ہوا ہے۔

مینی گیٹ تک ہمارے ساتھ آئی۔ کچھ کہنے کی کوشش کرتے ہوئے۔

"شاید ممی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے آج صبح سے ان کا بی۔ پی ہائی ہے۔"

کیلی بالکل چُپ تھا۔

"تم ناراض ہو؟"

"نہیں مینی۔" کیلی نے آہستگی سے کہا۔

اور جب ہم گیٹ سے نکل رہے تھے موٹا آلو اپنی ماں کے ساتھ اندر داخل ہو رہا تھا، اُس کا سُرخ ٹماٹروں جیسا چہرا اور بھی سُرخ ہو رہا تھا۔ اور باہر نکلتے ہوئے ہم نے مینی کی ممی کی آواز سُنی، وہ بہت چہک کر انہیں خوش آمدید کہہ رہی تھیں۔

"اوہ احمر بیٹے! اچھا ہوا تم آ گئے۔ مینی بہت بور ہو رہی تھی۔"

اور ہم دونوں سر جھکائے بہت دیر تک یونہی بے مقصد سڑک پر چلتے رہے منزل کا تعین کیے بغیر۔ اور جب ہمارے قدموں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا تو ہم وہیں تک کر فٹ پاتھ پر بیٹھ گئے۔

"آؤ ہم اس ٹھنڈی سیاہ سڑک پر لیٹ جائیں۔"

کیلی نے کہا۔

"اور پھر کوئی ٹرک، کوئی ٹریلر ہمیں کچلتا ہوا نکل جائے، بس اتنی سی لمحہ بھر کی بات، اور ہم زندگی کے دُکھوں سے آزاد ہو جائیں۔ اور محض ایک ذرا سی لمحہ بھر کی تکلیف کے لیے آدمی خواہ مخواہ عذاب اُٹھاتا ہے۔"

"کیلی۔" میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اُسے تنبیہ کی۔

"تم ہار رہے ہو۔"

"نہیں تو۔" اُس نے آنکھوں میں ہی جواب دیا۔

"میں تو نہیں ہارا۔"

"اور ہمیں ہارنا بھی نہیں ہے کیلی، ہم دنیا کو خود پر ہنسنے نہیں دیں گے، بلکہ ہم دنیا پر ہنسیں گے۔ یہ دنیا جو بڑی بے انصاف ہے اور بڑی ظالم ہے۔"

"ہاں۔"

ہم دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اُٹھ کھڑے ہوئے اور پھر ہم نے قریب سے گزرتے ہوئے رکشے کو روکا۔ اور جیرے

کے ہوٹل سے دال چاول کھائے اور اپنی کھولی میں آ گئے۔ کیلی آج گھر نہیں جانا چاہتا تھا کیونکہ وہ اُداس تھا، اور جس روز وہ اُداس ہوتا اُس روز گھر نہیں جاتا تھا۔

"مینی اچھی لڑکی ہے نا سونی۔"

میرے کمرے کی واحد کھڑکی سے باہر سڑک پر اندھیرے میں گھورتے ہوئے اُس نے کہا۔

"ہاں۔"

"اور وہ مجھ سے محبت کرتی ہے۔"

"ہاں۔"

"اور میں بھی اُس سے محبت کرتا ہوں تمہیں پتا ہے نا؟"

"ہاں۔"

میں نے کاغذوں کا پلندا اُٹھا لیا۔ مجھے کہانیاں لکھنے کا شوق تھا۔ اگرچہ میں یہ کہانیاں چھپواتا نہیں تھا۔ جب مجھے کوئی نیا دکھ ملتا، تو میں اس دکھ کو اپنی کسی کہانی کا حصہ بنا دیتا۔ آج بھی میرے دل پر چوٹ پڑی تھی۔ مینی کی ممی کی بے اعتنائی کی چوٹ۔

اور لوگ کیسے گرگٹ کی طرح رنگ بدل لیتے ہیں۔

اور یہی مینی کی ممی کیلی پر صدقے جاتی تھیں۔

"اور میں اُس کے بغیر نہیں رہ سکتا سونی!" میں نے اور اُس نے مل کر بہت خوبصورت موتیوں سے خوابوں کی ایک مالا بُنی ہے اور کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ خوابوں کی اس مالا کو بکھیر دے خواہ وہ مینی کی ممی ہی کیوں نہ ہوں۔"

"ہاں کسی کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔" میں نے قلم اُٹھایا۔

"سونی!" وہ میرے قریب چلا آیا۔

"تم کہانیاں لکھتے ہو، چلو آج میری کہانی لکھو۔ میری اور مینی کی کہانی، تم لکھنا سونی! ایک لڑکا تھا کیلی جس کی آنکھوں میں نقرئی خواب جلتے تھے، اور جو ایک ایس۔ ایم نو دوبارہ بنانا چاہتا تھا۔ اور مینی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ مینی جو بہت خوبصورت تھی، جس کی آنکھیں ہنستی تھیں۔ اور جس کے ہونٹ اسٹرابیری کی طرح سُرخ تھے۔ اور جو تصویریں بناتی تھی، اور جس کی ہر تصویر کے لڑکے کی شکل کیلی سے ملتی تھی۔

اور کیلی اُس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔

لیکن یہ دنیا بڑی بے انصاف ہے، اور اُس کے سارے خواب ٹوٹ گئے، کانچ کے کسی نازک برتن کی طرح۔"

"بکو نہیں۔" میں نے قلم بند کر دیا۔

"میں لکھوں گا کہ کیلی اُس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ اور پھر دونوں کی شادی ہو گئی اور انہوں نے ایک گھر بنا لیا جس میں ایک اسٹوڈیو تھا، اور ایک ورکشاپ تھی۔ اور وہ دونوں اپنا کام کرتے اور شرحیات بخش عرف سونی اُن کے گل گوتھنے بچوں کو سنبھالتا اور کہانیاں لکھتا۔"

اور ہم دونوں ہنس پڑے، ہنستے رہے، یہاں تک کہ ہماری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"کیا ایسا ممکن ہے سونی؟"

اُس کی بے حد دلکش آنکھوں میں امید کا ننھا سا دیا جل اُٹھا۔

"ہاں، کچھ بھی تو ناممکن نہیں ہوتا۔"

"مگر ممی کا توہین آمیز رویہ مجھے اندر سے ہولے ہولے ختم کر رہا ہے۔"

"تم اگر اس سخت زمین پر ہر روز سو سکتے ہو تو ممی کا گھر چھوڑ دو۔"

"وہ گھر صرف ممی کا تو نہیں ہے سونی! پھر بھی میں وہ گھر چھوڑ سکتا تھا۔ لیکن وہاں گڑیا بھی تو ہے نا۔ اور بہنیں کتنی پیاری ہوتی ہیں۔ کاش وہ تھوڑی سی بڑی ہوتی تو میں اُس کی گود میں سر رکھ کر کسی دن رو لیتا، اور جب وہ اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے میرے آنسو پونچھتی تو میرے سارے زخم مندمل ہو جاتے اور وہ تو اب بھی مجھ سے پیار کرتی ہے۔ جب میں گھر جاتا ہوں تو مجھ سے لپٹ جاتی ہے اور اُس کی پیاری پیاری باتیں میری بہت ساری تھکن چوس لیتی ہیں۔ اور میں اُس گھر میں اگر رہ رہا ہوں تو صرف گڑیا کے لیے سونی۔"

اور پھر کئی دن اور آگے سرک گئے۔ دنیا میں اتنی تبدیلیاں ہو رہی تھیں، اتنے انقلاب آ رہے تھے، عراق، ایران جنگ شدت اختیار کر گئی تھی۔ اندرا گاندھی قتل ہو گئی تھیں، اور دنیا کے ہر حصے میں کچھ نہ کچھ ہو رہا تھا۔ بس ہماری زندگیوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

وہی جیل روڈ تھی۔

وہی گلبرگ تھا۔ وہی سائیکل ٹاؤن، وہی بابو کی دکان، اور وہی نو لفٹ کا بورڈ چہرے پر لٹکائے بڑی توندوں والے سیٹھ تھے، گھومتی کرسیوں پر گردنیں اکڑائے نخوت سے بیٹھے ہوئے۔ اور وہی ہر دفتر کے باہر امیدواروں کی ایک لمبی قطار اور اس قطار میں سر جھکائے کھڑے ہیں اور کیلی۔

کیلی اپنی سوتیلی ماں سے لڑ کر میرے پاس آ گیا تھا۔

میری جیب خالی تھی، اور دو دن سے ہم نے کچھ نہیں کھایا تھا۔ میرے پاس کوئی قابلِ ذکر چیز فروخت کرنے والی نہیں رہی

تھی۔ اور ہفت روزہ "نئی آواز" والوں نے ابھی تک میرے دو انٹرویوز کا معاوضہ نہیں دیا تھا۔ ہم دونوں سر جھکائے "نئی آواز" کے دفتر سے واپس آ رہے تھے مایوس اور دلگرفتہ کہ راہ چلتے ہوئے ایک بچے کی اٹھنی نالی میں گر گئی، بچے نے منہ بسورتے ہوئے۔ نالی کی طرف دیکھا اور پھر مایوسی سے سر ہلا کر آگے بڑھ گیا۔ ہمارے قدم وہیں جم گئے تھے، بچہ چلا گیا تھا اور اٹھنی نالی میں پڑی تھی۔

اور یہ بڑی کمینگی ہے، ایک بچے کی اٹھنی نالی سے اٹھا لینا، اور اس سے بڑی کمینگی کوئی اور ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن اس کے باوجود ہمارے قدم وہیں پتھر ہو گئے تھے۔ چائے کی ایک گرما گرم پیالی۔ آدھی میرے لیے اور آدھی کیلی کے لیے! یا ایک ہاف پلیٹ آلو چنے۔ یا۔ یا۔

ہم نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر دونوں کے ہاتھ بے اختیار نالی کی طرف بڑھے۔

"اور دنیا بڑی بے انصاف ہے۔"

چائے کا آدھا کپ میری طرف بڑھاتے ہوئے کیلی نے کہا۔ اور لمبی چوڑی گاڑی میں بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھنے لگا۔ جو شکل سے ہی احمق لگتا تھا۔ جس کی حماقت اور بیوقوفی کو اس کی قیمتی گاڑی بھی کم نہ کر سکی تھی۔

"یہ قیمتی گاڑیوں میں بیٹھنے والے شکل سے کتنے احمق لگتے ہیں۔"

"یہ دنیا احمقوں کے لیے ہی ہے۔"

"ہاں سونی! یہ کتنی عجیب بات ہے کہ لوگوں کو ان کی اہلیت کے مطابق نہیں ملتا۔"

"اور یہاں تو اہلیت سے کم بھی نہیں مل رہا۔"

میں نے قہقہہ لگایا۔ میرے اندر آگ لگی تھی اور اس آدھا کپ چائے نے اندر شعلے بھڑکا دیے تھے میرا دل چاہا وہ آدھا کپ اگل دوں، جیسے وہ خوشبودار چائے نہیں گندی نالی کا کیچڑ تھا۔

"میرا خیال ہے ہمیں بابو کی بات مان لینی چاہیے۔"

"یعنی چھابڑی لگا لیں۔"

"کچھ بھی۔" اس کے دلکش ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی۔

"جنگ میں سب جائز ہوتا ہے، اور ہم بھی زندگی سے جنگ کر رہے ہیں اور ہمیں ہتھیار نہیں ڈالنا۔"

اور اس روز دو باتیں اکٹھی ہوئیں۔ مجھے ایک روزنامے کی طرف سے اپنے ایک سروے کا معاوضہ مل گیا، اور کیلی کو ایک دفتر میں کلرک کی جاب مل گئی۔

وہ کال لیٹر ہاتھ میں لیے بہت دیر تک پاگلوں کی طرح ہنستا رہا۔

"کیلی گراہم بیل۔"

"ایس۔ ایم۔ نو سو بارہ کا خالق اور کلرک۔"

چھ سو روپے تنخواہ پانے والا کلرک۔ خوہ!" اس نے زمین پر تھوک دیا۔ اور کال لیٹر پھاڑتے پھاڑتے اسے چوم لیا۔

روزنامے کی طرف سے آنے والے روپے جیب میں ڈال کر ہم نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا، اور اسی گلی میں سے گزرتے ہوئے نالی میں اٹھنی پھینک کر دل کا بوجھ کم کرنا چاہا، مگر بوجھ اور بڑھ گیا۔ لہٰذا ہم بابو کے گھر جانے کا پروگرام ملتوی کر کے واپس آ گئے۔ جہاں مینی ہمارا انتظار کر رہی تھی۔

"تم گھر سے کیوں چلے آئے ہو کیلی؟"

"یوں ہی۔"

"گڑیا تمہیں یاد کرتی ہے۔"

"اچھا۔"

"میں صبح آؤں گا۔"

"کیلی! تم یہاں کیسے سوتے ہو؟ اس سخت فرش پر۔"

اس کی آنکھوں کے سامنے شاید کیلی کا کمرا آ گیا تھا۔

کیلی چپ رہا۔

"تم چلو نا گھر۔ پتا ہے کل موٹا آلو تمہاری ممی سے کہہ رہا تھا کہ کیلی چلا گیا ہے تو اس کا کمرا وہ لے لے گا۔"

"تو۔" کیلی نے اپنی بھاری پلکیں اٹھائیں۔ "لے لے۔"

"کیوں لے لے؟"

مینی بھڑک اٹھی۔

"تم اتنے بزدل تو نہیں تھے کیلی! اس طرح تو اگر کل وہ یہ کہے کہ میں۔ میں۔"

اور پھر وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کیلی نے اسے رونے دیا۔ اور پھر خاموشی سے اٹھ کر اس کے ساتھ چل دیا۔ اور میں نے قلم اٹھا لیا۔ اور اس اٹھنی کی کہانی لکھنے لگا۔ جو راہ چلتے چلتے ایک بچے کے ہاتھ سے گر گئی تھی۔

میں اس رات کہانی نگار بن گیا تھا۔

کیونکہ میں نے اپنی یہ کہانی چھپوا دی تھی۔

اور اس صبح کیلی گراہم بیل مر گیا تھا اور اس سے نکل احمد

جونیئر کلرک آف ایل۔ ڈی۔ اے نے جنم لیا تھا۔

کچھ دنوں بعد مجھے ایک روزنامے میں جاب مل گئی۔

بابو خوش تھا۔

میں اور کیلی پتا نہیں خوش تھے یا ناخوش لیکن ہم شام کو ضرور گھومنے جاتے، کیلی کے کمرے میں بیٹھ کر تاش یا کیرم کھیلتے ہوئے خواب دیکھتے اور کبھی کبھی مینی آجاتی تو موٹے آلو کو جلانے کے لیے ہم خوب زور زور سے قہقہے لگاتے اور ہوا۔ ہوا۔ اے ہوا گاتے۔ تالیاں بجا بجا کر کیلی اپنی تنخواہ میں سے ایک سو روپیہ اپنے پاس رکھ کر پانچ سو روپے اپنی سوتیلی ماں کو دے دیتا۔ وہ اپنے ہی گھر میں پے انگ گیسٹ بن گیا تھا۔

"میری اسٹیپ مدر بہت لالچی ہے"۔ ایک روز جب ہم مینی کی طرف جا رہے تھے تو اس نے کہا۔

"اور لوگ اتنے لالچی اور خود غرض کیوں ہوتے ہیں سونی؟"

"پتا نہیں؟" میں نے آہستگی سے کہا۔

"اور ہم اتنے لالچی اور خود غرض کیوں نہیں ہیں؟"

"کیا پتا، ہم بھی اندر سے اتنے ہی لالچی اور خود غرض ہوں۔"

"نہیں، ہم خود غرض نہیں ہیں سونی۔ اور شاید یہ خود غرض نہ ہونا ہی ہمیں اذیت دے رہا ہے۔ تمہیں پتا ہے ایک روز مینی نے مجھ سے کہا تھا کہ میں اس کی ممی سے اس کے متعلق بات کروں۔ لیکن سونی میں خود غرض نہیں ہوں نا۔ اس لیے میں نے اس کی ممی سے بات نہیں کی۔ میں اسے ایک اچھا مستقبل دینا چاہتا ہوں۔ اس وقت میں بے روزگار تھا اور اب۔"

"اب کیا ہے؟"

"پتا نہیں، مجھے ڈر لگتا ہے سونی اب بھی میں ایک جونیئر کلرک ہوں، بھلا مینی اور میں۔"

"اچھا سنو، آج ہم مینی کی ممی سے بات کریں گے۔"

"نہیں۔" اس نے مجھے روک دیا۔

"ابھی نہیں، ذرا مینی کی تصویروں کی نمائش ہو جائے۔"

ان دنوں مینی بہت مصروف تھی۔ اور ہم اسی کی طرف جا رہے تھے۔ "روشن ہال" میں وہ سارے انتظامات دیکھتی پھر رہی تھی۔

"شکر ہے، تم لوگ آ گئے۔"

وہ کیلی کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئی۔

ہم بہت دیر تک وہاں مصروف رہے اور واپسی پر اس نے براؤن کاغذ میں لپٹی ہوئی ایک تصویر کیلی کو گفٹ کی۔

"یہ نمائش میں نہیں رکھو گی۔" کیلی نے پوچھا۔

"نہیں۔ یہ صرف تمہارے لیے ہے۔"

وہ بے حد آرٹسٹک تصویر تھی، جس کا عنوان اس نے "گھر" رکھا تھا۔ ایک خوبصورت وادی کے دامن میں ایک چھوٹا سا گھر اور اس کے آگے کھیلتے ہوئے دو بچے اور گھر کے پس منظر میں دور دھندلے سائے جن کا خواب شاید یہ گھر تھا۔

کیلی بہت دیر تک اس تصویر کو دیکھتا رہا، اور اس کی دلکش آنکھوں میں رنگ سے بنتے اور بگڑتے رہے۔

مینی کی تصویروں کو بہت سراہا گیا تھا، اور ہم بہت خوش تھے۔

ہمیں تنخواہ ملی تھی اور ہم نے سوچا تھا آج خوب عیش کریں گے، شالیمار اور مقبرہ جہانگیر جائیں گے اور پھر رات کو کسی فائیو اسٹار ہوٹل میں ڈنر کریں گے۔ لیکن جب ہم مینی کے گھر پہنچے تو مینی گھر پر نہیں تھی، اور مینی کی ممی لان میں کرسی بچھائے فیشن میگزین دیکھ رہی تھیں۔

"مینی گھر پر نہیں ہے۔"

انہوں نے ہمیں مطلع کیا۔

اور پھر اپنے میگزین کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ لمحہ بھر یوں ہی کھڑا رہنے کے بعد ہم واپسی کے لیے پلٹے تو انہوں نے ہمیں روک لیا۔

"سنو۔" ہم نے مڑ کر ان کی طرف دیکھا۔

"کیلی بیٹا! ادھر آجاؤ۔ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے۔"

"جی۔" کیلی کی آنکھوں میں حیرت اتر آئی۔

اور ہم دونوں ہولے ہولے چلتے ہوئے ان کے سامنے پڑی چیئرز پر بیٹھ گئے۔

"دیکھو کیلی! مینی میری اکلوتی بیٹی ہے۔ اور اس کے لیے ایک اچھی زندگی اور اچھے مستقبل کی خواہش کرنا بالکل فطری ہے، اور تم جانتے ہو کیلی! تم اسے ایک اچھا مستقبل نہیں دے سکتے، میں جانتی ہوں تم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہو۔ لیکن کیلی زندگی صرف پسند کے سہارے نہیں گزر سکتی۔ تمہارے پاس کیا ہے۔ ایک جونیئر کلرک، کتنی ہوگی تمہاری تنخواہ؟ زیادہ سے زیادہ چھ سات سو روپے۔ اور مینی تو اس سے کہیں زیادہ کا پٹرول اپنی گاڑی میں ڈلوا لیتی ہے، اس

۔ کے دو جوڑے جوتے بھی سات سو روپے میں نہیں آتے۔"

کیلی سر جھکائے سنتا رہا۔ اور وہ بولتی رہیں، بولتی رہیں۔ اور جب ہم وہاں سے اُٹھے تو کیلی کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ اور چہرا خطرناک حد تک زرد ہو رہا تھا۔

میں کیلی کو تسلی دینا چاہتا تھا لیکن میرے پاس الفاظ نہیں تھے، کبھی کبھی آدمی کتنا تہی دامن ہو جاتا ہے۔ میں بھی اُس وقت ایسی ہی کیفیت محسوس کر رہا تھا۔ میں نے مضبوطی سے کیلی کا ہاتھ تھام لیا۔

"مینی تم سے محبت کرتی ہے کیلی! اور باقی سب چیزیں ثانوی ہیں۔"

مگر کیلی خاموش تھا۔ اُس نے کچھ نہیں کہا، کچھ نہیں بولا۔ کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ لیکن اگلی صبح اُس نے ریزائن دے دیا۔

"میں کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ کوئی بڑا کام۔ میں خود کو مینی کے قابل بنانا چاہتا ہوں۔"

اُس روز اُس نے میرے کمرے میں زمین پر لیٹتے ہوئے کہا۔

"مگر تم کیا کرو گے کیلی۔؟"

"پتا نہیں۔" اُس کی بے حد خوبصورت آنکھوں میں بے چینیاں تیر رہی تھیں۔

"مجھے خود کچھ پتا نہیں۔ لیکن مجھے یوں لگتا تھا اگر میں یہ جاب کرتا رہا تو پھر ساری زندگی کچھ نہیں بن سکوں گا بس جونیئر کلرک ہی رہ جاؤں گا۔ بہت ہوا تو زیادہ سے زیادہ سینئر کلرک بن جاؤں گا۔ بس۔"

کیلی کی ممی کو جب پتا چلا کہ کیلی نے نوکری چھوڑ دی ہے تو وہ بہت بولیں بہت۔ اور کیلی اپنا مختصر سا سامان اٹھا کر میرے پاس چلا آیا۔ اور جس روز کیلی میرے پاس آیا اُس روز میرا اپنے اخبار کے ایڈیٹر سے جھگڑا ہو گیا اور اُس نے مجھے نکال دیا۔

"دراصل یہ دنیا بڑی عجیب جگہ ہے۔"

میں نے کیلی سے کہا۔

"یہاں ہم جیسے لوگ کامیاب زندگی نہیں گزار سکتے، یہ دنیا جھوٹے فریبی اور مکار لوگوں کے لیے ہے میں جھوٹ نہیں بول سکتا، میں اپنی نوکری برقرار رکھنے کے لیے اپنے ضمیر کا سودا نہیں کر سکتا، کیلی ڈارلنگ میں یا تم قطار میں اپنے آگے کھڑے ہوئے شخص کو دھکا نہیں دے سکتے۔ اور نتیجے میں ہم سے پیچھے کھڑا ہوا شخص ہمیں دھکا دے کر آگے نکل جاتا ہے۔ سو ہم اس دنیا میں ناکام ہیں۔"

"تو۔" کیلی نے پوچھا۔ "کیا ہم بھی جھوٹ بولنا، اور فریب دینا شروع کر دیں؟"

"کیا اس سے زیادہ بہتر یہ نہیں ہے کہ ہم دونوں راوی میں چھلانگ لگا دیں؟" میں نے جھلا کر کہا۔

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔" کیلی نے دلگرفتگی سے کہا۔

"میں نے بھی اکثر سوچا ہے کہ اپنے تمام خوابوں اور تمام خواہشوں سمیت راوی کی گود میں سو جاؤں، ایک ابدی اور پُرسکون نیند۔"

"شٹ اپ۔" میں نے اُسے ڈانٹ دیا۔

"ہم شکست کھانے والوں میں سے نہیں ہیں کیلی گرام بیل۔ ہم راوی کے پانیوں میں ابدی نیند نہیں سوئیں گے۔ ہم دنیا سے اپنا حق حاصل کر لیں گے۔"

WE ARE BRAVE. ANY PAIN ——

میں گنگنانے لگا لیکن کیلی نے میرا ساتھ نہیں دیا۔ بس چپ چاپ آنکھیں موندے لیٹا رہا۔

ایک بار پھر ہم روڈ ماسٹر بن گئے تھے۔ البتہ دال روٹی کا خرچا پورا ہو رہا تھا۔ میرے مضامین کا معاوضہ پیٹ بھرنے کے لیے کافی تھا۔ بہت دنوں سے ہم مینی کی طرف نہیں گئے تھے، اور نہ ہی مینی آئی تھی، ایک روز جب ہم تھک کر اپنے کمرے میں لیٹے ہی تھے کہ مینی آ گئی۔ غصے سے اُس کا چہرا سُرخ ہو رہا تھا۔ اور آنکھیں انگارا بنی ہوئی تھیں۔ کھدر کے سیاہ سوٹ میں، جس میں سلوٹیں پڑی ہوئی تھیں، وہ بہت دلکش لگ رہی تھی، اور وہ بار بار اپنے ہونٹ چبا رہی تھی۔

"تم۔ تم کہاں چلے آئے ہو کیلی! مجھے بتائے بغیر مجھ سے ملے بغیر۔"

"میں کہاں جا سکتا ہوں۔ سوائے سونی کے میرا کون ہے۔"

"تم کیوں چلے آئے ہو؟"

"میں۔" اور کیلی نے بات مکمل نہ کی۔

"ہم گئے تو تھے مینی! تمہارے گھر مگر تمہاری ممی نے۔"

میں نے سوچا کہ میں مینی کو ساری بات بتا دوں لیکن کیلی نے مجھے ٹوک دیا۔

"سونی! چائے پینے کو دل چاہ رہا ہے۔"

اور میں چائے بنانے چلا گیا۔ اور جب میں چائے لے کر آیا تو مینی کی آنکھیں بھر بھر بہہ رہی تھیں اور وہ کیلی کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے التجا کر رہی تھی۔

"کیلی پلیز کچھ کرو۔ میں اُس موٹے آلو کے ساتھ زندگی بسر نہیں کر سکتی، اور ممی چاہتی ہیں کہ میں — پلیز کیلی۔"

"ممی شاید ٹھیک ہی کہتی ہیں مینی۔"

بڑی دیر بعد کیلی نے تھکے تھکے لہجے میں کہا۔

"میرے پاس کیا ہے۔ میں تمہیں کیا دے سکتا ہوں۔"

"مجھے کچھ نہیں چاہیے کیلی! سوائے تمہاری محبت کے۔ تم ممی سے ڈیڈی سے بات کرو، ایک بار آخری بار اور اگر ممی نے یا ڈیڈی نے تمہیں رد کر دیا تو میں — وہ گھر چھوڑ دوں گی۔ کیلی میں بغاوت کر دوں گی۔"

"تم بہت نازک ہو مینی اور میں — میرے راستے بہت پتھریلے ہیں۔"

"میں تمہارے سنگ ہر پتھریلے راستے پر چل سکتی ہوں۔"

مینی کی آنکھیں ابھی تک بہہ رہی تھیں۔

"نہیں مینی! تم جاؤ! ممی کی بات مان لو۔"

اُس کی آنکھیں خون رنگ ہو گئیں۔ جیسے سارے خواب مر گئے ہوں اور اُن کا خون اُس کی آنکھوں میں پھیل گیا ہو۔

اُس نے دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں اور مینی روتی رہی، چائے ہمارے سامنے پڑی پڑی ٹھنڈی ہو گئی۔ بہت دیر ہو گئی تو اُس نے آنکھیں کھول کر مینی کی طرف دیکھا۔

"جاؤ مینی! دیر ہو رہی ہے۔"

"نہیں۔" مینی نے اچانک فیصلہ کر لیا۔

"میں نہیں جاؤں گی۔ تم میرے ساتھ چلو۔ ہم کورٹ میرج کر لیتے ہیں۔"

"جذباتی مت بنو مینی۔ جاؤ سونی اسے گھر چھوڑ آؤ۔"

"کیلی — کیلی۔" مینی نے اُسے جھنجھوڑ ڈالا۔

"کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتے۔ کیا تم نے مجھ سے محبت نہیں کی۔؟"

"شاید نہیں۔" اُس نے منہ موڑ لیا۔

"تم جھوٹ بولتے ہو، تم جھوٹ بول رہے ہو۔" وہ چیخ پڑی۔

"ادھر دیکھو میری طرف دیکھ کر بات کرو۔ تم مجھ سے محبت کرتے ہو، تم میرے بغیر نہیں رہ سکتے۔"

"سونی!" کیلی نے رُخ موڑے موڑے کہا۔

"بہت دیر ہو گئی ہے، تم مینی کو لے جاؤ۔"

"میں خود جا سکتی ہوں۔" وہ کھڑی ہو گئی۔

"میں نہیں جانتی کہ تم مجھ سے جھوٹ کیوں بول رہے ہو۔ لیکن تم جھوٹ بول رہے ہو۔ میں تمہارے سچ کا انتظار کروں گی۔ تم مجھے بلاؤ گے تو میں ہر زنجیر ہر رشتہ توڑ کر آ جاؤں گی۔ آئی۔ لو۔ یو کیلی؟ آئی۔ لو۔ یو۔"

وہ روتی ہوئی میرے کمرے سے باہر نکل گئی۔ اور کیلی ساکت بیٹھا رہا۔ یوں جیسے پتھر کا ہو گیا ہو۔

"تم نے ایسا کیوں کیا کیلی؟"

اُس کے جانے کے بعد میں نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔" اُس نے آہستگی سے کہا۔

"مگر شاید میں نے ٹھیک ہی کیا ہے۔"

"تم نے غلط کیا ہے۔"

"نہیں تو۔" اُس کی آنکھیں سُلگ رہی تھیں۔

"کیا میں اُس کو شادی کے بعد یہاں رکھتا۔ اس کمرے میں جہاں ایک چارپائی تک نہیں ہے۔ نہیں سونی وہ شیشہ بدن وہ نازک دل مینی اتنی سختیاں برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس لیے میں نے — میں نے اپنے خوابوں کو قتل کر دیا ہے اور اپنے دل کو اپنے ہاتھوں سے ہی مسل ڈالا ہے۔"

شاید وہ صحیح کہتا ہے۔

شاید اُس نے صحیح کہا تھا۔

لیکن میرا دل روتا رہا۔

میرا دل جو ایک دوست کا دل تھا، ایک ادیب کا دل تھا۔

اور میں سوچتا رہا کہ کیلی کی کہانی لکھوں، کیلی اور مینی کی کہانی۔

مگر نہیں، کیا پتا کہانی میں اچانک کوئی خوبصورت موڑ آ جائے۔ کیلی کے پاس بہت اچھی جاب ہو۔ کہیں سے دولت چھپر پھاڑ کر آ جائے، اور وہ مینی کے لیے وہ ساری سہولتیں مہیا کر سکے، جن کی وہ عادی ہے، اور یوں میں کیلی کی کہانی ایک خوبصورت انجام پر ختم کر دوں، سو میں نے کیلی کی کہانی نہیں لکھی، اور سارا دن آوارہ گردی کر کے شام کو ہم بابو کی دکان پر لکڑی کے سخت بنچوں پر لیٹ جاتے۔ اور دنیا کو لوٹنے اور اُس سے بے انصافیوں کا بدلہ لینے کی باتیں

کرتے اور بابو کی بتائی ہوئی نوکری کے لیے درخواستیں لکھ کر پھر سے اپنی آنکھوں میں خواب سجا لیتے اور کیلی کہتا۔

"نوکری مل گئی تو سب سے پہلے وہ مینی کو فون کرے گا، بلکہ نہیں وہ خود اُس کی طرف جائے گا اور اُسے بتائے گا کہ وہ اُس سے محبت کرتا ہے۔ وہ سچ جس کا وہ انتظار کر رہی ہے۔ مگر نوکری نہیں ملی، اور کیلی ہالینڈ چلا گیا۔

اپنے نقرئی خوابوں کو تعبیر دینے۔

ہالینڈ جانے سے چند روز پہلے اُس نے مینی کی گفٹ کی ہوئی تصویر فروخت کر دی تھی۔

"یار! ہم بہت کمینے ہیں۔"

تصویر فروخت کرنے سے پہلے اُس نے کوئی دس بار یہی بات کہی۔

"میں مینی سے محبت کرتا ہوں، اور اس کا گفٹ زندگی کے آخری لمحوں تک اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں، لیکن میں بہت کمینہ ہوں۔"

مگر ہم کمینے تھے کیونکہ ہمارے پیٹ میں دو دن سے روٹی نہیں گئی تھی۔ میں نے پچھلے دو ماہ سے کمرے کا کرایہ ادا نہیں کیا تھا۔ دراصل ہم — اپنی ساری پونجی کیلی کے ہالینڈ جانے کے چکر میں خرچ کر چکے تھے۔ بابو نے اپنی بہن کی شادی کے لیے رکھی ہوئی رقم کیلی کے حوالے کر دی تھی۔

کیلی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

"بابو! تمہاری محبت کا قرض تو میں کبھی نہیں اتار سکوں گا۔ ہاں تمہارا یہ قرض بہت جلد اتار دوں گا۔"

"تم بے فکر رہو۔ میری بہن ابھی چھوٹی ہے۔"

"کیا ایسی دنیا جس میں بابو جیسے لوگ ہیں، اُس سے نفرت کی جا سکتی ہے؟"

اُس رات جس صبح کیلی کو جانا تھا۔ ہم دیر تک راوی کے کنارے بیٹھے رہے۔

میں نے پانی میں پتھر پھینکتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں — میں دنیا سے مایوس نہیں ہوں۔"

"چلو، مینی سے مل آئیں۔"

"نہیں ابھی نہیں۔"

اُس نے انکار کر دیا۔

اُس رات ہم دیر تک جاگے اپنے بچپن کی باتیں کیں۔ بچوں جیسی حرکتیں کیں۔ لال پاپ اور چیونگم خرید کر کھائے، اپنا پسندیدہ پرسنل سونگ گایا۔ اور کیلی چلا گیا۔

اجنبی سرزمینوں کی طرف۔

اپنی زمین کے ہاتھوں دُکھ اُٹھا کر۔

زخم لے کر۔

پتا نہیں اجنبی زمین اُس کے اُن زخموں پر مرہم رکھے گی بھی یا نہیں۔ جو وہ اپنی زمین سے لے کر جا رہا تھا۔

اُسے سی آف کر کے آتے ہوئے میں نے سوچا۔

اور پھر بہت سارے دن گزر گئے۔ میں ایک نسبتاً اچھے فلیٹ میں آ گیا۔ کیلی کے خط کبھی کبھار آ جاتے۔ اُس کے خطوں سے لگتا تھا کہ وہ زندگی کے ساتھ نبرد آزما ہے۔ اُس نے بابو کے پیسے تھوڑے تھوڑے کر کے لوٹا دیے تھے۔

اور جب سے وہ گیا تھا، میں مینی سے نہیں ملا تھا اور مینی مجھے نہیں ملی تھی ممکن ہے کبھی وہ میرے کمرے میں گئی ہو لیکن میں نے تو وہ کمرا چھوڑ دیا تھا اور اُسی عمارت کے ایک فلیٹ میں اُٹھ آیا تھا جس میں میرے رسالے کا دفتر تھا۔

کیلی کو گئے دو سال ہو گئے تھے کہ ایک روز اُس کا خط آ گیا، اور اس میں اُس نے مینی کی طرف بھی ایک رقعہ بھیجا تھا۔ جس میں صرف ایک جملہ لکھا تھا۔

"آئی۔ لو۔ یو۔"

اور اُس نے مجھے تاکید کی تھی کہ میں آج ہی مینی کے پاس جاؤں اور اُس سے وہ سچ کہہ دوں، جس کا وہ انتظار کر رہی ہے۔ اُس روز میں بہت اہتمام سے تیار ہوا، اور میں نے پرائزن کی آدھی شیشی اپنے کپڑوں پر اُلٹ ڈالی، اور ہوا — ہوا اے ہوا — خوشبو لُٹاتے گنگناتا ہوا، ماڈل ٹاؤن کی طرف چل دیا۔ مینی کے گھر چراغاں ہو رہا تھا — ارے تو کیا مینی کو پہلے ہی سے پتا چل گیا ہے کہ میں اُس سے وہ سچ کہنے آیا ہوں، جس کا وہ انتظار کر رہی ہے۔ تبھی تو اُس نے چراغاں کر رکھا ہے۔ رکشے سے اُتر کر میں لمحہ بھر حیرت سے گیٹ کے پاس کھڑا جگمگاتی روشنیوں کو دیکھتا رہا جو جل بجھ رہی تھیں، تب ہی گیٹ کھلا اور سوکھا بانس باہر نکلا۔

"ارے آپ۔" اُس نے مجھے دیکھ کر دانت نکالے۔

"کیلی کے جانے کے بعد پہلی بار آپ اِدھر آئے ہیں۔ شاید مینی نے آپ کو بلایا ہے۔"

"مینی نے! نہیں تو میں تو خود آیا ہوں مینی سے ملنے۔"

میں نے سوکھے بانس کے جگمگاتے چہرے کو دیکھا۔

"مگر آپ مینی سے کیسے ملیں گے، اُن کی تو شادی ہو رہی ہے اور اُن کے کمرے میں بیوٹی پارلر سے آئی ہوئی خاتون اُن کا میک اپ کر رہی ہے۔ اور ابھی کچھ دیر بعد ہی انہیں میرج ہال میں لے جائیں گے۔"

"مینی کی شادی کس سے ہو رہی ہے؟"

"احمد سے۔"

تو موٹا آلو جیت گیا۔ اور کیلی گراہم بیل ہار گیا۔ کیونکہ اُس نے سچ کہنے میں بہت دیر کر دی تھی۔ اور یہ کہ شاید دو سال انتظار کے لیے بہت ہوتے ہیں۔ اور میں مینی سے ملے بغیر واپس آ گیا۔ اور اُس رات میرے آنسو میرے اندر گرتے رہے۔

قطرہ قطرہ کر کے اور دریا بنتا رہا۔

میں نے کیلی کے خط کا جواب نہیں دیا کہ مجھ میں سچ کہنے کا حوصلہ نہ تھا۔ کیلی نے کتنے ہی خط لکھ ڈالے تھے، پھر شاید اُس نے بابو کو خط لکھا تھا اور بابو نے ہی اُسے مینی کی شادی کی خبر دی تھی۔ کہ اُس نے مجھے لکھا۔

"سونی! یہ دنیا بڑی ظالم ہے۔ آؤ ہم اسے توڑ پھوڑ دیں، اور اُس سے اس کی بے انصافیوں کا بدلہ لیں۔ مینی نے تو کہا تھا۔ کہ وہ میرے سچ کا انتظار کرے گی پھر۔"

اور آج مینی کی شادی کے صرف چھ ماہ بعد میں کیلی کی کہانی لکھ رہا ہوں، اور میرے سامنے کیلی کے اُس روم میٹ کا خط پڑا ہے جسے میں صرف نام سے جانتا ہوں۔ پتا نہیں اُس نے کیا لکھا ہے۔ مگر میں نے تو صرف یہی پڑھا ہے کہ۔

کیلی گراہم بیل مر گیا۔

کیسے۔ کیوں۔؟

یہ تو میں نے پڑھا ہی نہیں۔

بس وہ مر گیا۔

وہ جو میرا دوست تھا، اس اتنی بڑی دنیا میں میرا واحد دوست۔

میں جو اُس کی کہانی لکھنا چاہتا تھا اور کسی خوبصورت موڑ کا انتظار کر رہا تھا۔

کیلی جو موجد بننا چاہتا تھا۔

جس کا ایس۔ ایم۔ لو سو بارہ دنیا میں تہلکہ مچانا چاہتا تھا جس کے خوبصورت گھر میں ایک ورکشاپ اور ایک اسٹوڈیو تھا۔

جو مینی سے محبت کرتا تھا۔

لیکن جس نے اُس سے سچ نہیں بولا تھا۔

اس لیے کہ وہ اُسے اپنے ساتھ پتھروں پر نہیں گھسیٹنا چاہتا تھا۔

وہ خود غرض نہیں تھا۔

اور یہ دنیا صرف خود غرض جھوٹے اور فریبی لوگوں کے لیے ہے۔

کیلی۔ شکیل احمد۔

جو خود کو کیلی گراہم بیل کہتا تھا۔

اور جو اتنا خوبصورت تھا کہ اکثر میں نے سوچا تھا شاید لیا لو ایسا ہی ہوگا۔

وہ کیلی گراہم بیل مر گیا۔

ایک اجنبی زمین پر، اجنبی لوگوں کے درمیان، اور جو کہتا تھا کہ دنیا کا کوئی دکھ اُسے توڑ نہیں سکتا۔ خود بخود ہی ٹوٹ گیا تھا۔

اور اُس کے سارے سنہرے جگمگاتے نقرئی خواب بکھر گئے تھے۔ اور میں اُس کی کہانی لکھ رہا ہوں۔ حالانکہ میرے پاس لفظ ہی نہیں ہیں جو اُن بے انصافیوں کی کہانی لکھ سکیں۔ جو دنیا نے اس کے ساتھ کیں اور اُس محبت کی داستان جو اس نے مینی سے کی۔ پھر بھی میں لکھ رہا ہوں۔ ہاں تو میں کیا کہہ رہا تھا۔

لمبی چوڑی شفاف سڑک پر چلتے چلتے وہ زور سے پاؤں زمین پر مارتا۔

"سنو۔ سونی! تم میرے دوست ہو۔ نا۔"

*